بیادگار: حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ رضوان لکھنؤ

جلد نمبر ۶۳

شمارہ نمبر ۱

جنوری ۲۰۱۹ء
January 2019

سالانہ زرتعاون

برائے ہندوستان	:	۳۰۰/روپے
غیر ملکی ہوائی ڈاک	:	۴۰/امریکی ڈالر
فی شمارہ	:	۳۰/روپے
لائف ٹائم خریداری	:	۸۰۰۰/روپے

نوٹ

خط وکتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں، اگر مدت خریداری کے ختم ہونے کے وقت کی پرچی پتہ کی چٹ پر لگی ہو تو براہ کرم مدت خریداری ختم ہوتے ہی رقم ارسال فرمائیں۔ (منیجر)

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

مجلس ادارت

میمونہ حسنی — عائشہ حسنی

جعفر مسعود حسنی — محمود حسن حسنی

ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

زر تعاون اور خط وکتابت کا پتہ

ماہنامہ رضوان
۱۷۲/۵۴، محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ
پن کوڈ: ۲۲۶۰۱۸ - موبائل: ۹۴۱۵۹۱۱۵۱۱

Rizwan (Monthly)
172/54, Mohammad Ali Lane
Gwynne Road Lucknow
Pin:226018- Mobile: 9415911511

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کے لیے نظامی آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

کمپوزنگ: ناشر کمپیوٹر، لکھنؤ۔ فون: 9792913331

E-Mail : azizpaitepuri@gmail.com

فہرست مضامین

- اپنی بہنوں سے ..... محمد محی الدین ندوی 5
- حدیث کی روشنی میں ..... امۃ اللہ تسنیم 6
- حیات نبوی کا ایک اہم واقعہ ..... مولانا خالد سیف اللہ رحمانی 8
- ہندوستانی مسلمانوں کا مستقبل پردہ تقدیر میں ..... پروفیسر محسن عثمانی ندوی 11
- علم دین کی اہمیت ..... مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی 14
- احترام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ..... ڈاکٹر ممتاز عمر 15
- امیرو کچھ نہ دو ..... قاضی مفتی سلیمان رحمانی 18
- نیک کاموں میں سبقت حاصل کرنے کی فضیلت .. مفتی محمد وقاص رفیع 21
- بیت المقدس مسلمانوں کی مذہبی میراث ..... مفتی امانت علی قاسمی 23
- حیاء اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام حیاء ..... مفتی محمد عمران حقانی 26
- اللہ والوں کی نظر ..... محترم علی اصغر چوہدری 29
- رسول پاک کا مشن اور ہماری ذمہ داریاں: ایک محاسبہ .. ڈاکٹر محمد واسع ظفر 32
- سوال وجواب ..... مفتی راشد حسین ندوی 37
- میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟ ..... ڈاکٹر محمد لئیق اللہ خان۔جدہ 38
- آخری صفحہ ..... مولانا قمر الزماں ندوی 42

اپنی بہنوں سے

محمد محی الدین ندوی

الحمدللہ ہمارے اور قارئین رضوان کے لئے بڑی خوشی اور مسرت کی بات ہے کہ ''ماہنامہ رضوان'' اپنی عمر کی 62 بہاریں پوری کر چکا ہے اور جنوری 2019 سے وہ 63 ویں سال میں داخل ہو رہا ہے ہم اس کریم ذات کے شکر گزار ہیں کہ جس نے اس کی توفیق عطا فرمائی۔ آمین

ماہنامہ رضوان کے بانی حضرت مولانا محمد ثانیؒ صاحب نے جس وقت یہ رسالہ نکالا تھا اس وقت ان کے خیال میں بھی نہ رہا ہوگا کہ ان کی جلائی ہوئی یہ شمع اتنا طویل سفر طے کر لے گی۔ لیکن نیک نیتی اور خلوص جس کام میں ہو اس میں اللہ تعالیٰ برکت عطا فرماتے ہیں اور وہ قائم و دائم رہتی ہے، اللہ تعالیٰ اس میں مزید دوام عطا فرمائے۔ آمین

اس طویل اور پر آشوب دور میں ایک دینی رسالہ نکالنا اور اس کو قائم رکھنا بہت ہی مشکل اور دشوار ترین کام ہے اس طویل وقفہ میں کتنے ہی مرتبہ ایسے حالات پیش آئے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب یہ شمع بجھ جائے گی اور آگے اس رسالے کا نکلنا ممکن نہیں، لیکن اللہ کا فضل و کرم ہوا اور یہ سلسلہ چلتا رہا اور اب تک جاری ہے اور امید ہے کہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔

اس وقت ہمارے ملک کے جو حالات ہیں وہ بہت ناگفتہ بہ ہیں، لہولعب، بے غیرتی اور بے حیائی کا ایک سیلاب ہے جس میں لوگ ڈوبتے چلے جا رہے ہیں، آپ کسی سڑک پر نکل جایئے کسی پارک کے سامنے سے گزر جایئے، ایسے ایسے مناظر آپ کو دیکھنے کو ملیں گے جس نے غیرت اور شرم کا جنازہ نکال دیا ہے اور اس کو تہذیب و تمدن کی علامت سمجھا جانے لگا ہے وہ گناہ جو رات کے اندھیرے میں کئے جاتے تھے وہ دن کے اُجالے میں کئے جانے لگے۔ تو پھر تباہی اور بربادی سے ہمیں کون روک سکتا ہے۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار۔**

قارئین رضوان سے ہماری گذارش ہے کہ جن لوگوں کا سالانہ زرتعاون ختم ہو گیا ہے وہ جلد از جلد اپنا زرتعاون ارسال کر دیں تاکہ یہ سلسلہ آگے بھی چلتا رہے اور رسالہ آپ تک برابر پہنچتا رہے۔

حدیث کی روشنی میں

جہاد

امۃ اللہ تسنیم

جہاد کے گھوڑے

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑوں کی پیشانیاں قیامت تک کے لئے بھلائی سے بندھی ہیں۔(بخاری۔مسلم)

حضرت عروہؓ بارقی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑوں کی پیشانیاں قیامت تک کے لیے بھلائی سے بندھی ہیں (یعنی اجر وغنیمت)۔ (بخاری۔مسلم)

جہاد کی نیت سے گھوڑا پالنا

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے راستہ کیلئے اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے اس کے وعدے کی تصدیق کرتے ہوئے گھوڑے رکھے تو اس گھوڑے کا کھانا پینا آسودہ اور سیراب ہونا اور اس کا پاخانہ پیشاب قیامت کے دن اس شخص کے نیکی کے پلہ پر ہوگا۔(بخاری)

حضرت ابومسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اونٹنی لیے ظاہر ہوا جس پر مہار پڑی ہوئی تھی۔عرض کیا یا رسول اللہ یہ اللہ کے لیے ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات سو اونٹنیاں مہار پڑی ہوئی اس کے بدلے میں تم کو ملیں گی۔(مسلم)

نشانہ بازی کی فضیلت

حضرت ابوحمادؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منبر پر فرماتے سنا ہے **واعدولھم ما استطعتم من قوۃ** ترجمہ: جو کچھ تمہارے پاس قوت ہو دشمن کے لئے تیار رکھو) سن لو قوت تیر اندازی ہے۔سن لو قوت تیر اندازی ہے۔ سن لو قوت تیر اندازی ہے۔(مسلم) (حضرت شریف میں لفظ ''رمی'' ہے اس وقت اس سے مراد تیر اندازی وغیرہ تھی۔اب قیامت تک جتنے نئے آلات اس کے لیے ایجاد ہوں گے سب اس میں شامل ہیں۔

حضرت ابوحمادؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ عنقریب تمہارے لیے بہت سے ممالک فتح ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ تم کو بہت کچھ عطا فرمائے گا مگر دیکھو تیر اندازی کا کھیل نہ چھوڑنا۔(مسلم)

حضرت ابوحمادؓ سے روایت ہے کہ جس نے تیر اندازی سیکھ کر چھوڑ دی وہ ہم سے نہیں ہے یا یہ فرمایا کہ اس نے میری نافرمانی کی۔(مسلم)

حضرت ابوحمادؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ ایک تیر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرے گا۔ بنانے والے کو جو اجر وثواب کی خواہش میں بنائے، دوسرے تیر انداز کو، تیسرے وہ جو تیر اٹھا کر تیر انداز کو دے۔ پھر فرمایا کہ تیر اندازی اور شہ سواری کیا کرو اور مجھے تمہاری تیر اندازی شہ سواری سے زیادہ پسند ہے اور جس نے تیر اندازی سیکھ کر چھوڑ دیا اس نے ایک نعمت ٹھکرا دی یعنی نعمت کی ناشکری کی۔(ابوداؤد)

حضرت سلمہؓ بن الاکوع سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جو تیر اندازی کر رہے تھے، آپ نے فرمایا اے اسماعیل کی اولاد خوب تیر اندازی کرو، تمہارے باپ تیر انداز تھے۔(بخاری)

حضرت عمرو بن عبسہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں ایک تیر چلائے اس کو ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا۔(ابوداؤد۔ترمذی)

جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ

حضرت ابویحییٰ خُریم بن فاتکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کی راہ میں کچھ بھی خرچ

کرے گا اس کے لئے سات سو سے اوپر نیکیاں لکھی جائیں گی۔ (ترمذی)

جہاد کی حالت میں روزہ

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی اللہ کا بندہ اللہ کی راہ میں (جہاد میں) ایک دن روزہ رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے چہرہ کو ستر سال تک آگ سے دور رکھے گا۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کے راستہ میں (یعنی جہاد میں) ایک دن روزہ رکھا تو اللہ جل شانہٗ اس کے اوپر آگ کے درمیان ایک خندق کرے گا جس کا فرق آسمان وزمین کے برابر ہوگا۔ (ترمذی)

نہ جہاد نہ جہاد کی خواہش

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے زندگی بھر جنگ نہیں کی اور نہ جنگ کی خواہش کی تو اس کی موت نفاق کے ایک شعبہ پر ہوگی۔ (مسلم)

مجبور جہاد میں شریک ہے

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ میں کچھ لوگ رہ گئے ہیں۔ ان کو مرض نے مجبور کردیا نہ تم نے کوئی مسافت طے کی اور نہ کوئی وادی قطع کی مگر وہ تمہارے شریک ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کو کسی عذر نے مجبور کردیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ وہ اجر میں تمہارے شریک ہیں۔ (بخاری)

مقبول جہاد کی شرط

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ کوئی شخص مال غنیمت کی ہوس میں جنگ کرتا ہے تو کوئی ناموری کے لیے، کوئی بہادر کہلانے کے شوق میں جنگ کرتا ہے تو کوئی میت کے لیے۔ ایک روایت میں ہے کہ کوئی غصہ میں آکر جنگ کرتا ہے تو ارشاد فرمایئے کہ کون سی جنگ فی سبیل اللہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے جنگ کرتا ہے اس کی جنگ فی سبیل اللہ ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

جہاد کا پورا اجر

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو فوج یا جماعت جہاد کرے اور پھر صحیح سالم مال غنیمت کے ساتھ پلٹ آئے تو اس نے جلدی دو تہائی مزدوری پالی اور جو فوج یا جماعت جہاد کرے پھر کچھ اس کے ساتھ نہ آئے اور وہ سب کام آجائیں تو ان کے لیے پورا پورا اجر ہے۔ (مسلم)

اس اُمت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا مجھ کو سیاحت کی اجازت فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی سیاحت اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔ (ابوداؤد)

واپسی روانگی سے کم نہیں

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غزوہ سے واپس ہونے میں اتنا ہی اجر ہے جتنا کہ جانے میں۔ (ابوداؤد)

مجاہدین کا استقبال

حضرت سائبؓ بن یزید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے تشریف لارہے تھے، لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کو گئے، میں بھی لڑکوں کے ساتھ ثنیۃ الوداع پر آپ سے جاملا۔ (ابوداؤد)

اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ راوی نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے کو لڑکوں کے ساتھ ثنیۃ الوداع تک گئے تھے۔

تین باتیں

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے نہ جہاد کیا نہ کسی غازی کے لیے سامان جنگ تیار کیا، نہ کسی غازی کی غیبت میں اس کے گھر والوں کی خیر وخبر لی تو اس کو اللہ تعالیٰ مرنے سے پہلے کسی سخت تکلیف میں مبتلا کردے گا۔ (ابوداؤد)

○○○

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

حیات نبوی ﷺ کا ایک اہم واقعہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفا کو پوری انسانیت کے لیے عموماً اور امت محمدیہ کے لیے خصوصاً اسوہ ونمونہ بنایا گیا ہے: **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔** (الاحزاب:۲۱) اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان پر جس طرح کے بھی حالات پیش آئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اس کو نقش راہ اور نمونۂ عمل مل جائے گا، وہ غالب ہو یا مغلوب، فتح یاب ہو یا شکست سے دوچار، مالدار ہو یا غریب، دوستوں کے درمیان ہو یا دشمنوں کے درمیان، اپنوں سے سابقہ ہو یا بیگانوں سے، ہر جگہ اور ہر حال میں سیرت طیبہ اس کے لیے چراغ راہ اور خضر طریق ہے، شاید اسی مقصد کے تحت اللہ تعالیٰ نے اپنے اس محبوب ومقبول بندے کو ہر طرح کی آزمائشوں سے گزارا ہے، اور وہ تمام مصیبتیں جو اس امت پر آسکتی ہیں، ان سب سے آپ کو بھی دوچار کیا گیا ہے، تاکہ جب ایسے حالات پیش آئیں تو مسلمان نور نبوت کی راہنمائی سے محروم نہ رہ جائیں اور انہیں کسی اور چراغ سے روشنی مستعار نہ لینی پڑے۔

اس وقت ہندوستان کے مسلمان جس صورت حال سے دوچار ہیں، اس میں سیرتؐ کے ایک خاص واقعہ کو پڑھنے اور اس سے سبق حاصل کرنے کی ضرورت ہے، اور وہ ہے ''حلف الفضول'' کا واقعہ، واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنائے جانے سے پہلے ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ قبیلۂ نبوزبید کے ایک صاحب مکہ آئے اور انہوں نے عاص وائل سہمی سے اپنا تجارتی مال فروخت کیا، عاص نے قیمت کی ادائیگی میں ٹال مٹول شروع کردیا اور ظلم و انکار پر اتر آئے، چنانچہ اس مسافر نے ٹھیک اس وقت جب قریش صحن کعبہ میں بیٹھا کرتے تھے، بوقیس کی پہاڑی پر چڑھ کر لوگوں کو آواز دی کہ ایک مظلوم شخص کی بونجی لے لی گئی ہے، ایک ایسے شخص کی جو اپنے وطن اور بال بچوں سے دور ہے اور حرم محترم کی وادی میں مقیم ہے، اس طرح کے ظلم وزیادتی کے واقعات مکہ میں پیش آتے رہتے تھے، لیکن اس اجنبی شہر نے کچھ ایسے درد کے ساتھ اپنی فریاد پیش کی کہ قریش کے رحم دل لوگ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے اور قریش مکہ کے چند اہم خاندان۔ بنوہاشم، بنومطلب، اسد بن عبدالعزیٰ، زہرہ بن کلاب اور تمیم ابن مرہ کی اہم شخصیتیں عبداللہ بن جدعان کے مکان میں جمع ہوئیں، اور آپس میں معاہدہ کیا کہ مکہ میں کوئی بھی مظلوم ہو، خواہ مکہ کا رہنے والا ہو یا کہ کے باہر سے آیا ہو، ہم سب مل کر اس کی مدد کریں گے اور ظالم کو حق دینے پر مجبور کریں گے، اس معاہدہ کا نام ''حلف الفضول'' رکھا گیا، یہ نام کیوں رکھا گیا، اس سلسلہ میں بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ''فضل'' کے معنی زیادتی اور اضافہ کے ہیں اور اس معاہدہ میں یہ بات کہی گئی تھی کہ اگر کسی شخص پر دوسرے کے ذمہ زائد حق باقی ہو تو وہ اس کو دلایا جائے گا۔ (المعتصر من المختصر لابن یوسف موسیٰ حنفی:۲/۳۷۵) اور بعض حضرات نے نقل کیا ہے کہ اتفاق سے اس معاہدہ میں شریک ہونے والوں میں ''فضل، فضالہ اور مفضل'' تھے، یعنی ان تینوں کے نام کا جز ''فضل'' تھا: اس لئے اس کو ''حلف الفضول'' یعنی ''فضل والوں کے معاہدہ'' کا نام دیا گیا۔

(فتح الباری:۴/۴۷۳)

اس معاہدہ کی اس لئے غیر معمولی اہمیت تھی کہ جزیرۃ العرب میں کوئی حکومت قائم نہیں تھی، لا اینڈ آرڈر کے لئے کوئی باقاعدہ نظام نہیں تھا، عرب کے مختلف قبائل کے درمیان بڑا تعصب اور تعصب کی وجہ سے اپنے خاندان کا تحفظ پایا جاتا تھا، لیکن اگر کوئی کمزور خاندان ہو یا اجنبی لوگ ہوں تو

ان کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا تھا، ان حالات میں یہ معاہدہ لا اینڈ آرڈر کو قائم رکھنے اور کمزوروں کو طاقتوروں کے ظلم سے بچانے کی ایک منظم کوشش تھی، اس کی اہمیت اس لئے بھی تھی کہ اس معاہدہ میں قریش کے تمام قبائل شامل تھے، اگر چند اشخاص یا کوئی کم تعداد اور کمزور قبیلہ اس کام کو لے کر اٹھتا تو اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا، لیکن اتنے سارے کثیر التعداد اور مکہ کے طاقتور خاندانوں کو نظر انداز کر دینا کوئی آسان بات نہ تھی، اس لئے اس معاہدہ کی بڑی اہمیت تھی اور اسی لیے یہ معاہدہ لاقانونیت کے ماحول میں امن وامان اور عدل وانصاف قائم رکھنے کی ایک مثبت اور مؤثر کوشش ثابت ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اس معاہدہ میں شریک تھے اور اسلام کے غلبہ کے بعد بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر اب بھی مجھے اس کی طرف دعوت دی جائے تو میں اسے قبول کروں گا: "**لو دعیت به الیوم فی الاسلام لاجبته**" (فتح الباری: ۴/۴۷۳) اور بعض روایتوں میں ہے کہ مجھے اس معاہدہ سے غائب رہنا پسند نہیں، اگرچہ اس کے بدلے مجھے سرخ اونٹنیاں مل جائیں۔ (المعتصر من المختصر: ۲/۳۷۵)

ہندوستان میں اس وقت مسلمان جن حالات سے گزر رہے ہیں اور سیاسی اعتبار سے جس تنہائی کا شکار ہیں، ان کے لئے سیرت کا یہ واقعہ بہترین پیغام اور ان کی دشواریوں کا حل ہے، حلف الفضول کس ماحول میں قائم کی گئی تھی؟ ایسے ماحول میں جب ظالموں کو ظلم سے روکنے والی قوت موجود نہیں تھی، جب مظلوموں کے لئے انصاف حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں تھا، جب برائیاں تھیں، لیکن برائیوں کو چیلنج کرنے والی کوئی طاقت نہیں تھی۔ حلف الفضول کا مقصد کیا تھا؟ معاشرہ میں انصاف کا قائم کرنا، کمزوروں کو انصاف دلانا اور ظلم سے بچانا۔ حلف الفضول کا طریقۂ کار کیا تھا؟ جمہور کی مدد سے ظالم کا پنجہ تھامنا، اجتماعی شیرازہ بندی کے ذریعہ قیام عدل کی کوشش کرنا، چھوٹی چھوٹی طاقتوں کو جمع کر کے ایک بڑی طاقت اس لیے تیار کرنا کہ ظلم کو روکا جائے اور انصاف قائم کیا جائے۔

ہمارے ملک میں بھی اس وقت یہی صورت حال ہے، ظلم کا خونی پنجہ اتنا طاقتور ہو چکا ہے، کہ علی الاعلان خون کی ہولی کھیلی جاتی ہے، لوگوں کی املاک لوٹی جاتی ہیں، عزت و آبرو پامال کی جاتی ہے، بستیاں اجاڑی جاتی ہیں اور لاشوں پر چڑھ کر اقتدار کے قلعہ پر قبضہ کرنے کی جدوجہد کی جاتی ہے، ہونا تو یہ چاہیے کہ لوگ اس صورت حال کو دیکھ کر بے قرار ہو جائیں، ہر زبان ایسے ظالم کو ٹوکے، ہر ہاتھ ایسے ظالم کو روکے اور ہر آنکھ ان پر غیظ وغضب کی آگ پھینکے، مگر عملاً صورت حال یہ ہیکہ ظالموں کی حمایت میں نعرے لگائے جا رہے ہیں، ذرائع ابلاغ درندوں کو فرشتہ بنا کر پیش کر رہے ہیں اور انصاف کے قاتلوں کو ہیرو بنایا جا رہا ہے، ان حالات میں مسلمانوں کے لئے کرنے کا کام یہی ہے کہ وہ یہاں ایک نئی شیرازہ بندی کریں، خود آپس کے اختلاف کو نظر انداز کر کے کم سے کم ایک نکاتی سیاسی ایجنڈے پر متفق ہو جائیں کہ وہ فرقہ پرست سیاسی طاقتوں سے ملک کو بچائیں گے اور ایسی حکمت عملی اختیار کریں گے کہ آنے والے الیکشن میں سیکولر امیدوار کامیاب ہو سکے، ملی اتحاد کی اس کوشش کے ساتھ ساتھ کم سے کم تین اور طبقات کو ہمیں جمع کرنا چاہئے، اولاً: دوسری اقلیتوں کو، خاص کر سکھ اور عیسائی اقلیت کو، جو ہندوستان کے مختلف علاقوں میں سیاسی اعتبار سے فیصلہ کن حیثیت کی حامل ہیں، دوسرے: دلتوں کو، جو ہزاروں سال سے مظلومانہ زندگی گزار رہے ہیں اور جن کو اپنے بارے میں یہ اعتراف ہے کہ وہ ہندو نہیں ہیں، انہیں زبردستی ہندو بنا دیا گیا ہے، تیسرے: سیکولر برادرانِ وطن کو، کیونکہ آج بھی ہندو بھائیوں کی اکثریت اس ملک کے فرقہ وارانہ رخ اختیار کرنے پر فکر مند بھی ہے اور متاسف بھی، اگر مسلمان ان تینوں گروہوں کو ساتھ لے کر ایک 'حلف الفضول' قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں، ایک ایسا مشترکہ پلیٹ فارم بنائیں جو ہر ظلم کے مقابلہ میں کمربستہ ہو اور ہر مظلوم کو انصاف دلانے کے لیے اٹھ کھڑا ہو، کسی دلت کے ساتھ زیادتی ہو تو پُرامن طریقے پر مسلمان احتجاج کریں اور کسی مسلمان کے ساتھ زیادتی ہو تو اس کے تحفظ کے لئے دلت آگے بڑھیں، اگر اس

طرح کا کوئی پلیٹ فارم قائم کرنے میں مسلمان کامیاب ہوجائیں تو موجودہ حالات میں یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی اور بہت سے امراض کا مداوا اور مشکلات کا حل ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام عدل، تحفظ اور امن وامان کی برقراری کے لئے غیر مسلم ابنائے وطن کے ساتھ مختلف معاہدات کئے ہیں، خود مکہ میں بھی آپ نے اہل مکہ سے پیشکش کی تھی کہ بقائے باہم کے اصول پر مسلمان اور غیر مسلم دونوں سوسائٹی میں مل جل کر رہیں، قرآن مجید میں سورۂ کافرون میں یہی فارمولہ پیش کیا گیا ہے، پھر مدینہ پہنچتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان، یہودی اور مشرک قبائل کے درمیان ایک اہم معاہدہ کرایا، اس معاہدہ کو قید تحریر میں بھی لایا گیا اور تمام قبائل کے اس پر دستخط لئے گئے، جس کو ''میثاق المدینۃ'' کہا جاتا ہے اور حلف الفضول کا واقعہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے کا ہے، لیکن اس کی جو اہمیت آپ کی نگاہ میں تھی، اس کا اندازہ اس جملہ سے کیا جاسکتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اگر مجھے آج بھی اس کی طرف بلایا جائے تو میں اس کو قبول کروں گا۔'' گویا یہ ایک وقتی تدبیر اور عارضی حکمتِ عملی نہیں تھی، بلکہ ایک اصولی فیصلہ تھا، جو اسلامی تعلیمات کی روح پر مبنی اور اس کے اصول انصاف کا آئینہ دار تھا۔

اس ملک کو بچانے، ملک کے دستور اور اس کی جمہوری قدروں کو بچانے اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے نہ صرف اس ملک کی دوسری بڑی اکثریت ہونے کے لحاظ سے بلکہ خیر امت ہونے کی حیثیت سے بھی مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ حقیر اور وقتی سیاسی مفادات کو نظر میں رکھنے کے بجائے ملک وملت کے وسیع تر مفادات کو سامنے رکھ کر اس سلسلہ میں پیش قدمی کریں، اس کوشش میں منصوبہ بندی تو ضرور ہونی چاہئے لیکن اس کی تشہیر نہیں ہونی چاہئے؟ کیونکہ ایسے معاملات کی تشہیر سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے، اگر موجودہ حالات میں مسلمان بے سمتی کا شکار رہے، انہوں نے سوچے سمجھے منصوبہ کے مطابق اپنے لئے راہ عمل متعین نہیں کی، تو اتنے بڑے نقصان کا خطرہ ہے جس کی تلافی دشوار ہوجائے گی، کیونکہ اس وقت ہمارا ملک ایک دوراہے پر کھڑا ہے، ایک راستہ یہ ہے کہ سیکولر طاقتیں اپنی کمزوری کی وجہ سے فرقہ پرست طاقتوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیں اور گویا اپنی شکست کا اعتراف کرلیں، یہاں تک کہ یہ ملک مستقل طور پر فرقہ پرستی کے راستہ پر چلا جائے، دوسرا راستہ یہ ہے کہ مسلمان سیکولر عناصر کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کریں، انہیں طاقت پہنچائیں، ان کے اندر فرقہ پرستی سے لڑنے کا حوصلہ پیدا کریں اور اس ملک کو ان لوگوں کے رحم وکرم پر نہ چھوڑ دیں، جو اقتدار کو حاصل کرنے کے لئے انسانی خون کا دریا پار کرنے میں کوئی قباحت نہیں سمجھے۔

○○○

ضروری اعلان

محترم قارئین کرام!

جن لوگوں کا سالانہ چندہ ختم ہوگیا ہے اور بعض لوگوں کا کئی سال کا بقایا ہے۔ ان سے گذارش ہے کہ جلد از جلد بقایا رقم ادا فرمادیں، اس وقت ادارے کو رقم کی سخت ضرورت ہے نیز اگر رسالہ جاری رکھنے کا ارادہ نہ ہو، مطلع کردیں تاکہ ادارے کا مزید نقصان نہ ہو۔

رضوان کا سالانہ چند مبلغ -/300 روپے ہے۔

جو حضرات دفتر سے معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ ۲/ بجے سے شام ۵/ بجے تک فون پر رابطہ کرسکتے ہیں۔ جمعہ کے دن دفتر بند رہتا ہے۔

دفتر کھلنے کا وقت ۲/ بجے سے ۵/ بجے تک ہے، دیگر اوقات میں فون نہ کریں۔

رابطہ کیلئے : Mobile : 9415911511

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

ہندوستانی مسلمانوں کا مستقبل پردہ تقدیر میں

میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب

ہندوستانی مسلمان اپنی تاریخ کے نازک دور سے گذر رہے ہیں۔ جو لوگ صاحب فکر ہیں وہ شب و روز اس فکر میں غلطاں و پیچاں رہتے ہیں کہ اس امت کا مستقبل کیا ہے اور ہمیں کیا طریق کار اختیار کرنا چاہئے۔ اس موضوع پر مضامین لکھے گئے ہیں، کتابچے شائع ہوئے ہیں۔ لوگ خلوت خانوں میں محو تفکر و تدبر ہیں اور مشغول تضرع و ابتہال اور مصروف دعا و عبادت ہیں۔ کچھ لوگ ہیں کہ ان کی راتیں اسی فکر میں گذرتی ہیں کہ مشکلات کی چٹان جو غار کے دہانہ پر آپڑی ہے وہ ہٹے اور باہر نکلنا آسان ہو، عزت و آرام سے زندگی گذارنے کی سبیل پیدا ہو۔ ہندوستان اور اسپین دونوں جگہ کی تاریخ کے مطالعہ کی ضرورت ہے، دونوں جگہ عزت کے بعد نکبت، اقتدار کے بعد ادبار، سرفرازی کے بعد سرنگونی سے سابقہ کیوں پیش آیا، فلک نامہرباں کیوں ہوا۔ حالات کا تجزیہ بتاتا ہے کہ دونوں جگہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان عوامی رابطہ بہت کمزور تھا، دونوں جگہ مقامی آبادی اور بیرون ملک سے آنے والے فاتحین کے درمیان کمیونیکیشن گیپ موجود تھے جس کی وجہ سے اسلام کی دعوت اور دین کے تعارف کے کام میں کوتاہی ہوئی، دونوں جگہ مسلمان اقلیت میں تھے اور آخر وقت تک اقلیت میں رہے، عسکری طاقت اور تہذیب و تمدن کی جلوہ سامانی جتنے دنوں تک مددگار بن سکتی تھی اس نے مدد کی۔ اس کے بعد اب اکثریت کی جارحیت ہے اور ان کے سینوں میں انتقام کی آگ ہے اور اس جارحیت اور انتقام کا نشانہ مسلمان ہیں۔ آج روہنگیا کے مسلمان دربدری کا شکار ہیں، یہاں اسباب کا تجزیہ کیجیے تو وجہ یہ معلوم ہوگی کہ جب امن اور عافیت کا زمانہ تھا اور مسلمان کاشانہ عشرت میں زندگی گذارتے تھے اس وقت برما کی مقامی آبادی تک دین کا پیغام پہنچانے کی کوشش نہیں ہوئی۔

ماضی کی داستان سفر اگرچہ دلکش ہے لیکن اس کا سبق یہ ہے کہ ماضی میں جو غلطی ہوئی اب اس کی تلافی کی ضرورت ہے، اب برادران وطن کے دلوں کو جیتنے کی ضرورت ہے، ابھی تک اس کی طرف ہماری قیادت کا ذہن نہیں جاسکا ہے، اور اسی لئے صحیح منصوبہ بندی نہیں ہوسکی ہے۔ تبلیغی جماعت عظیم الشان دینی اور ایمانی تحریک ہے اور اس کی خدمات ہیں، ہندوستان اور دنیا کے طول و عرض میں سرگرم اور متحرک ہے لیکن اس کے اصولوں میں اکرام مسلم تو شامل ہے لیکن خدمت خلق اور خدمت انسانیت شامل نہیں۔ یہ ایک نمونہ ہے کہ ہماری دینی تحریکات کے بانیوں کے ذہن میں دور دور تک غیر مسلم برادران وطن نہیں رہے ہیں، تبلیغی جماعت کے عظیم الشان خدمات کے باوجود یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کا منہج پوری طرح انبیاء کرام کا منہج ہے۔ صوفیاء کرام کی کچھ خدمات کو چھوڑ کے بحیثیت مجموعی ہمیں برادران وطن کے ساتھ انسانی اور دعوتی روابط کا خلا ملتا ہے اور اب اس خلا کو پُر کئے بغیر روز بروز تاریک ہوتے ہوئے آئینہ حیات کو درخشاں نہیں بنایا جاسکتا ہے اور غم دہر کے زہر سے نجات نہیں حاصل کی جاسکتی ہے۔

رسول جب بھی دنیا میں آئے انہوں نے قوم سے فاصلہ نہیں رکھا اور لسان قوم میں قوم کو خطاب کیا۔ ہمارے نائبین رسول مدارس سے طلبہ کی وہ کھیپ نکالتے ہیں جو صرف لسان المسلمین میں بات کرسکتی ہے اور مسجدوں میں یا صرف مسلمانوں کے اجتماعات میں گفتگو کی اہل ہوتی ہے۔ مجھے اس سے انکار نہیں کہ مسلمانوں کی اصلاح بھی ضروری کام ہے لیکن اس سے کار

دعوت کا حق نہیں ادا ہوتا ہے اور اس سے انبیاء کرامؑ کے طریق دعوت پر عمل نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے اب مسلمانوں کے مستقبل کو روشن کرنے کے لئے ایک نئی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے اور وہ منصوبہ ہے لسان قوم سے واقف علماء تیار کرنا۔ جتنی زبانیں ہمارے ملک میں موجود ہیں ان سب زبانوں کے ماہر علماء تیار کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے جو ملک کے تمام حصوں میں اسلام کی ترجمانی، درس قرآن، خطبات سیرت کے اہل ہوں جو اسلام پر اعتراضات کا جواب دے سکیں اور غیر مسلموں کے تعلیم یافتہ طبقہ کو مطمئن کرسکیں اور غیر مسلموں کے اجتماعات کو خطاب کرسکیں۔

حیدرآباد کے اہل فکر و دانش نے اس عظیم الشان کام کا اب بیڑا اٹھایا ہے اور چار لاکھ روپے ماہانہ کا مختصر معمولی بجٹ اساتذہ کی اور ملازموں کی تنخواہوں، لائبریری اور دیگر لوازمات اور تعمیراتی کاموں کے لئے بنایا ہے۔ ملت کو بالکل مردہ ہونے سے بچانے کے لئے، اس کے امپاورمنٹ کے لئے جس طرح باصلاحیت لوگوں کو اپنا رول ادا کرنا ہے اسی طرح اہل خیر اور اہل ثروت کو بھی اپنا کردار ادا کرنا ہے۔ انگلش میڈیم جامعہ اسلامیہ حیدرآباد کے چلانے والوں کی یہ ذمہ داری ضرور ہے کہ وہ مالیات اور حساب و کتاب کے معاملہ میں پوری شفافیت برتیں اور اکاؤنٹ کے بارے میں اور آمد و خرچ کے بارے میں سوالات کا جواب دینے کے لئے تیار رہیں۔

حیدرآباد شہر میں انگلش میڈیم دینی ادارہ کا قیام مسلمانوں کی تعلیم کی تاریخ میں ایک انقلابی کام ہے جس کے اثرات مسلمانوں کے مستقبل پر پڑیں گے اور جس کا فائدہ دنیا میں ہر جگہ محسوس کیا جائے گا۔ ایسے تمام دینی اور اجتماعی کاموں میں اصل ضرورت اخلاص کی ہے اور اخلاص موجود ہے تو آسمان پر اس کی نصرت کا فیصلہ ہوگا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے تعلیمی ادارے اخلاص اور استغناء کی طاقت پر چلتے رہے ہیں۔ ادارے کے چلانے والوں میں ایک طرح کی شان بے نیازی بھی پائی جانی چاہئے، اہل ثروت کو ادارہ کی ضرورت کی اطلاع ضرور دینی چاہئے لیکن ان کی کسی خوشامد کی مطلق ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ پر توکل دینی اداروں کی روایت رہی ہے۔ مولانا یوسف بنوریؒ کا دارالعلوم پاکستان میں ہے، وہ درسگاہ میں پڑھا رہے تھے، ایک صاحب سوٹ بوٹ میں ملبوس بریف کیس ہاتھ میں لے کر آئے، مولانا نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، وہ صاحب ٹہلتے رہے اور پیچ و تاب کھاتے رہے، بعد میں انہوں نے شکایت کی کہ مجھے بہت انتظار کرنا پڑا اور مجھے جلدی تھی، مولانا نے معذرت کی کہ سبق چل رہا تھا۔ اس نووارد نے وہ رقم پیش کی جو وہ مدرسہ کے لیے لائے تھے، مولانا بنوریؒ نے معذرت کی کہ آپ یہ رقم کسی اور مدرسہ کو دے دیں، اس سال کا ہمارا بجٹ پورا ہو چکا ہے۔ انہوں نے بڑی منت سماجت کی اور عرض کیا کہ آئندہ سال کے بجٹ کے لئے رکھ لیں، اس پر مولانا بنوریؒ نے فرمایا جس نے اس سال کا بجٹ پورا کردیا ہے، وہی اگلے سال کا بھی پورا کردے گا، میں یہ رقم قبول نہیں کرسکتا۔

دارالعلوم دیوبند کو دیکھنے کے لئے امریکہ سے کچھ لوگ آئے تھے، انہوں نے مدرسہ کا بجٹ پوچھا تو مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے پندرہ کروڑ کا بجٹ بتایا، آنے والوں نے کہا کہ یہ تو معمولی بجٹ ہے، صرف ہم لوگ (امریکہ کے مسلمان) اسے پورا کرکے دے سکتے ہیں، مولانا مرغوب صاحب نے ان کو جواب دیا "دارالعلوم دیوبند ہندوستان کے غریب مسلمانوں کے چندے سے چلتا ہے اور یہی اس کا امتیاز ہے۔" مولانا مرغوب صاحب 28 برس مہتمم رہے مگر دارالعلوم کا ایک پیسہ بھی اپنی ذات پر نہیں خرچ کیا، کبھی تنخواہ نہیں لی۔ دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا قاری طیب صاحب بھی تھے، وہ مشہور دارالعلوم کے مشہور مہتمم تھے اور خود ان کی بڑی عزت اور شہرت تھی لیکن اس سے انہوں نے کوئی مالی فائدہ نہیں اٹھایا، جس مکان میں پہلے دن سے تھے آخر تک اسی میں رہے اور انتقال ہوا تو چند ہزار روپے کے سوا ان کے پاس کچھ نہیں نکلا، جب کہ معمولی مدرسوں کے مہتمم چند سالوں میں موٹر شوٹر، بنگلے گملے کے مالک بن جاتے ہیں اور سیاہ و سفید پر

ان کا پورا اختیار ہوتا ہے، ان کی کوئی مجلس شوریٰ نہیں ہوتی ہے، وہ اپنے کو کسی کے سامنے جوابدہ نہیں سمجھتے۔ حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ اور ان کے صاحبزادے مولانا سالم صاحب قاسمیؒ کی طبیعت میں جو اعتدال تھا جو توازن تھا، وہ ہندوستانی علماء کے لئے قابل تقلید ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جماعت اسلامی کے اجتماعات میں بھی ان کی دعوت پر تشریف لے جاتے تھے اور تعاونوا علی الخیر پر عمل کرتے تھے، ان کی زبان محتاط تھی، انہیں جماعت پر سب وشتم کرتے ہوئے نہیں پایا گیا، یہ سب حرکتیں وہ کرتے ہیں جنہوں نے جماعت کا لٹریچر پڑھا ہی نہیں اور جماعت کی خدمات کا انہیں علم ہی نہیں ہے۔ مولانا خالد سیف اللہ صاحب کی بات صحیح ہے کہ یہ علماء کچھ پڑھتے ہی نہیں، اس لئے ان کے تبصرے غیر متوازن ہوتے ہیں۔ جماعت اسلامی کی درسگاہ جامعۃ الفلاح کے ایک پروگرام میں مولانا سالم صاحب شریک ہوئے اور راقم سطور بھی اجتماع کی دعوت پر اس میں موجود تھا۔ علماء کی سادگی اور قناعت پسندی کا ذکر آیا تو جماعت اسلامی کے پہلے امیر مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ کا ذکر بھی مناسب ہوگا جنہوں نے تقسیم ہند کے بعد کے مشکل ترین حالات میں جماعت کے شیرازہ کو منتشر ہونے سے بچایا اور نہایت عسرت اور فاقہ کشی کے ساتھ صبر واستقلال کا نمونہ پیش کیا، ایمرجنسی کے زمانہ میں جب ان کو گرفتار کیا گیا تو مولانا علی میاںؒ نے اندرا گاندھی سے ان کی رہائی کی سفارش کی۔ جہاں تک دولت دنیا سے بے نیازی کی صفت ہے، مولانا علی میاںؒ کے یہاں اس کی اتنی زیادہ مثالیں ہیں کہ صفحات کے صفحات لکھے جاسکتے ہیں، صرف اسلاف کی تاریخ میں اس طرح کی مثالیں مل سکتی ہیں۔ ان کو عرب دنیا میں اللہ تعالیٰ نے جو مقبولیت عطا کی تھی وہ اگر چاہتے تو سونے چاندی کا محل اپنے لیے تعمیر کرسکتے تھے لیکن ان کو ہر وقت "قل متاع الدنیا قلیل" (کہہ دو کہ متاع دنیا بہت مختصر ہے) کا استحضار حاصل تھا، ہیرے جواہرات کی حیثیت بھی ان کے نزدیک کنکر اور پتھر سے زیادہ نہ تھی بلکہ شاید اس سے بھی کم تھی۔ ان فقیران راہ دین اور درویشان خدامست کا تذکرہ اس لیے آیا کہ جس بلند مقصد کے لیے اور اسلام کی سربلندی کے لیے حیدرآباد کے اہل علم میدان میں آئے ہیں اور انگلش میڈیم جامعہ اسلامیہ قائم کررہے ہیں، ان کے سامنے ان علماء کے نمونے بھی رہیں جنہوں نے سادگی اور قناعت کا نمونہ پیش کیا تھا۔ نصاب تعلیم کا مرحلہ تقریباً مکمل ہوگیا ہے، اس جامعہ اسلامیہ کے لیے ٹرسٹ قائم کرنے اور اس کے نام سے بینک اکاؤنٹ کھولنے اور اساتذہ کے انتخاب کا کام باقی رہ گیا ہے۔ جس جوش اور جنون کے ساتھ حیدرآباد کے علماء اور مفکرین نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے خدا کرے وہ برگ وبار لائے۔

ooo

محترم قارئین کرام

ماہ جون 2018 سے رضوان کے سالانہ زرتعاون میں -/100 روپے کا اضافہ کیا جارہا ہے۔ رضوان کا اب سالانہ زرتعاون مبلغ -/300 روپے ہوگا۔ کاغذ اور طباعت میں اضافہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً یہ اضافہ کرنا پڑا، امید ہے کہ قارئین رضوان اس کو بخوشی قبول فرمائیں گے۔

سالانہ زرتعاون -/300 روپے
فی شمارہ -/30 روپے

والسلام
مینجر رضوان

الحنسی ہولڈر حضرات نئے شرح نوٹ فرمالیں۔

مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی، مہتمم دارالعلوم دیوبند

علم دین کی اہمیت

"عن انس بن مالك قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : طلب العلم فريضة على كل مسلم۔"

(رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ..... حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: علم دین کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

تشریح ..... علوم دینیہ کی اہمیت پہلے بھی تھی اور آج بھی ہے، مگر اس زمانے میں ان علوم کی اہمیت دو چند ہوگئی ہے، کیونکہ جتنی مزاحمت بڑھتی ہے مقابلے پر اتنی ہی طاقت و توانائی صرف کرنی پڑتی ہے۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ آج کے دور کو کمپیوٹر اور ٹکنالوجی کا دور کہا جاتا ہے، دنیوی علوم برق رفتاری سے ترقی کرتے جارہے ہیں، ماہرین تعلیم کے مطابق پہلے سو سال کے اندر علم جتنا ترقی کرتا تھا آج دس سال کے عرصے میں اتنی ترقی ہورہی ہے، ہر روز نئے نئے انکشافات، اختراعات اور ایجادات منظر عام پر آرہے ہیں، جن کی چمک دمک دیکھ کر نگاہیں خیرہ ہورہی ہیں اور ہر کوئی ان پر اس طرح مٹا جارہا ہے گویا یہی مقصد تخلیق ہے۔ ایسے دین بیزار ماحول میں علم حقیقی کی ضرورت اور زیادہ ہوجاتی ہے۔ علم حقیقی وہ علم ہے جس کے ذریعہ اللہ اور اس کے رسول کو پہچانا جائے، آخرت کے تقاضوں پر عمل پیرا ہوا جائے مرضیات خداوندی کو ہر آن ملحوظ رکھا جائے۔

آج دشمنان اسلام علوم دینیہ کے مراکز کو بدنام کرنے کی ہر ممکن کوشش کررہے ہیں، شریعت مطہرہ کو مجروح کرنے کی سازشیں رچی جارہی ہیں اور عوام کا رشتہ مدارس سے کاٹنے کے مختلف حربے اپنائے جارہے ہیں، ایسے میں علم دین کی وقعت ہمارے دلوں کے اندر پیوست ہونی چاہئے، اس کی اہمیت کا احساس ہر دم پیش نظر رہنا چاہئے، کیونکہ یہی علم ہمارے لئے متاع آخرت اور موت کے بعد کام آنے والا سرمایہ ہے۔

بزرگان دین کہتے ہیں کہ علم حقیقی دراصل وہی ہے جس کے ذریعہ بندہ علیم تک پہنچے، اگر علم علیم تک پہنچانے والا نہیں ہے تو پھر ہمیں غور کرلینا چاہئے کہ ہم کیا حاصل کررہے ہیں.....؟

موجودہ مسلم معاشرہ میں غور کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ معاشی خوش حالی، دولت کی فراوانی اور تعلیم کے شوق نے آج کنڈرگارڈن، نرسری اسکول اور انگلش میڈیم اسکولوں کی طرف قوم کا رخ پھیر دیا ہے، میں اس کی مخالفت نہیں کررہا ہوں، خود ہمارے اکابر، ہمارے بزرگ اس طرف متوجہ کرتے رہتے ہیں کہ دینی ماحول میں، دینی شناخت کے ساتھ، دینی نصاب تعلیم کے ساتھ اعلیٰ معیار کے انگلش میڈیم اسکول ہونے چاہئیں، جہاں ہمارے بچے تعلیم حاصل کریں۔

اب الحمد للہ! بہت سے علاقوں میں اس طرح کے ادارے قائم ہوبھی گئے ہیں، لیکن وہ گنتی کے چند ادارے ہیں، عموماً انگلش میڈیم اسکول کے جو تعلیمی ادارے ہیں وہاں نہ نصاب میں دینیات کا کوئی حصہ ہے، نہ تربیت کا کوئی نظام ہے، نہ پڑھانے والوں کی ٹریننگ کا کوئی بندوبست ہے نہ ذمہ داروں کے سامنے کوئی بہتر لائحہ عمل ہے، یہ تجارتی نقطہ نظر سے پیسہ کمانے کے لئے اسکول قائم کررہے ہیں۔

(باقی صفحہ.....41.....پر)

ڈاکٹر ممتاز عمر

احترام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

نبی محترم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات انتہائی احترام کی متقاضی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسولؐ ہیں۔ تاہم، اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ جس طرح مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ پیش آتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی وہی انداز اختیار کریں۔ اس سلسلے میں کچھ اصول وآداب متعین کیے گئے ہیں۔

ارشاد ہوا: ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ اور اس کے رسولؐ کے آگے پیش قدمی نہ کرو اور اللہ سے ڈرو، اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔'' (الحجرات ۴۹:۱)

پھر ارشاد ہوا: ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنی آواز نبیؐ کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبیؐ کے ساتھ اونچی آواز سے بات کیا کرو، جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔'' (الحجرات ۴۹:۲)

سورۂ حجرات کی ان ابتدائی آیات میں وہ آداب سکھائے گئے ہیں جو امام الانبیاءؑ پر ایمان لانے والوں کے لیے ہیں کیونکہ ایمان والوں کے نزدیک فوقیت اس بات کی ہونی چاہیے کہ اللہ اور اس کے نبیؐ کے احکام مقدم جانیں۔ کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنے فیصلوں میں آزاد ہو بلکہ ضروری ہے کہ وہ سب سے پہلے اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کو سمجھے۔ یہاں مطیع و فرمانبردار رہ کر زندگی گزارنے کا حکم ہے، یعنی قرآن اور سنت میں تلاش کیا جائے کہ کیا حکم ہے۔

اللہ اور اس کے رسولؐ کی حیثیت مقدم کرانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں بیٹھنے اور گفتگو کرنے کا سلیقہ سکھایا گیا ہے۔ یہاں بھی احترام کا انتہائی انداز اپنانے کا حکم ہے بات چیت کرتے ہوئے یا کچھ پوچھتے ہوئے دبی آواز رہے بلکہ محفل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بلند اور دیگر کی پست ہو یہ ادب اگرچہ نبیؐ کی مجلس کے لئے سکھایا گیا تھا اور اس کے مخاطب وہ لوگ تھے جو حضورؐ کے زمانے میں موجود تھے مگر بعد کے لوگوں کو بھی ایسے تمام مواقع پر یہی ادب ملحوظ رکھنا چاہئے جب آپ کا ذکر ہو رہا ہو، یا آپ کا کوئی حکم سنایا جائے، یا آپ کی احادیث بیان کی جائیں۔

مفسرین نے یہ رائے بھی قائم کی ہے کہ اس آیت کا اطلاق بزرگوں کے ساتھ گفتگو کے حوالے سے بھی ہوسکتا ہے۔ چھوٹوں کو چاہیے کہ وہ اپنے بزرگوں کے ساتھ احترام کو ملحوظ رکھیں اور اپنی آواز کو پست رکھیں۔ اس سلسلے میں حضرت ثابت بن قیسؓ کے واقعے کو بڑی اہمیت حاصل ہے کہ وہ بلند پایہ مقرر تھے۔ فطری طور پر ان کی آواز بلند تھی۔ جب اس آیت کا نزول ہوا تو وہ اپنے گھر بیٹھ گئے۔ ندامت اور پریشانی حد درجۂ عروج پر تھی۔ گمان تھا کہ سارے اعمال ضائع ہوگئے۔ جب حضور اکرمؐ کو ان کی کیفیت کا علم ہوا تو انہیں بلایا اور ارشاد فرمایا: ''تم اہل دوزخ سے نہیں اہل جنت میں سے ہو۔''

نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آواز بلند کرنے کی ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام ملحوظ رہے کیونکہ روگردانی کی صورت میں زندگی بھر کی کمائی ضائع ہونے کا اندیشہ ہے اور یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام نہیں کرتا وہ اللہ کا احترام نہیں کرتا۔

ارشاد ربانی ہے: ''اے نبیؐ، جو لوگ تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں۔ اگر وہ تمہارے برآمد ہونے تک صبر کرتے تو انہیں کے لئے بہتر تھا، اللہ درگزر کرنے والا اور رحیم ہے۔'' (الحجرات ۴۹:۴-۵)

اس حکم ربانی کی ضرورت پیش نہ آتی کیونکہ اس حکم کا لحاظ صحابہ کرامؓ تو مکمل طور پر کیا کرتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ تر وقت دین کی تبلیغ

میں صرف ہوتا ہے۔ محض آرام اور خانگی اُمور زندگی کا ادائیگی کے لئے حجروں میں تشریف لے جاتے تھے۔ اس لئے صحابہ کرامؓ کا معمول تھا کہ وہ انہیں اوقات میں آتے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے اور اگر آپؐ نہ بھی ہوتے تو صحابہ کرامؓ بیٹھ کر آپؐ کا انتظار کرتے۔ مگر قبائل سے آنے والے آداب سے نابلد لوگ یہ سمجھتے تھے کہ دعوت الی اللہ اور اصلاحِ خلق کا کام کرنے والے کو کسی بھی وقت آرام لینے کا حق نہیں ہے اور انہیں حق ہے کہ رات دن میں جب چاہیں اس کے پاس آدھمکیں اور اس کا فرض ہے کہ جب بھی وہ آجائیں تو وہ ان سے ملنے کے لیے مستعد رہے۔

اَزواجِ مطہراتؓ کے حجروں کے گرد چکر لگاتے اور آوازیں دیتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حلیم الطبع تھے، اس لئے ان کو نہ ٹوکتے تھے، البتہ دلی طور پر تکلیف محسوس کرتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے واضح احکام دے کر نبی محترمؐ کے ادب واحترام کو مقدم رکھنے کا حکم دیا ہے۔ انسان کو اشرف المخلوقات کا مقام نصیب ہوا لیکن نبی محترم کو افضل البشر کہا گیا۔ یہی نہیں معراج کے موقعے پر امام الانبیاءؑ کی حیثیت سے بلند مقام پر فائز ہوئے۔ قرآن کریم میں جابجا آپؐ کے بلند مقام کا تذکرہ ہے۔ کبھی کہا گیا کہ آپؐ خوشخبری اور ڈرانے والے ہیں تو کہیں ارشاد ہوا: آپؐ جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں وہ اللہ کا حکم ہوتا ہے۔ جب مشرکین مکہ اور یہود مدینہ نے آپ کو جھٹلایا تو رب العالمین نے تقویت دیتے ہوئے فرمایا: یہ کوئی آپؐ کے ساتھ نہیں ہو رہا۔ اس سے پہلے بھی رسولوںؑ اور انبیاءؑ کو جھٹلایا گیا اور اذیتیں دی گئیں مگر اس کے باوجود مسلمانوں کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی احترام کریں۔

سورۃ الحجرات کی ابتدائی آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنے، بلند آواز سے گفتگو کرنے اور آرام میں مخل ہونے کو زندگی بھر کے اعمال ضائع ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام اور مقام، مال و دولت، والدین، اولاد گویا ہر شے سے بڑھ کر ہے۔

مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسولؐ کی شان میں گستاخی یا زبان درازی کی جارہی ہو تو مسلمانوں کا کیا فرض ہے؟ اس سلسلے میں ارشاد ہوا: ''اللہ اس کتاب میں تم کو پہلے ہی حکم دے چکا ہے کہ جہاں تم سنو کہ اللہ کی آیات کے خلاف کفر بکا جارہا ہے اور ان کا مذاق اُڑایا جارہا ہے وہاں نہ بیٹھو جب تک کہ لوگ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں۔ ورنہ تم بھی انہیں جیسے ہو جاؤ گے۔ یقین جانو کہ اللہ منافقوں اور کافروں کو جہنم میں ایک جگہ جمع کرنے والا ہے۔'' (النساء-۴:۱۴۰)

درحقیقت اس ارشاد میں اللہ کے احکامات کا مذاق اُڑانے والوں اور اُسے سن کر خاموش رہنے والوں، ہر دو کو برابر عذاب کی خبر سنائی گئی ہے۔ اللہ کے یہ احکامات وحی کی صورت میں نبی محترم تک آئے۔ پھر آپؐ نے انہیں اپنی زبان سے بیان کیا کہ منکرین اور منافقین کا مذاق اُڑانا اللہ اور اس کے رسولؐ، ہر دو کا مذاق اُڑانے کے مترادف ہے۔ حالانکہ مشرکین مکہ حضورؐ کو صادق کے لقب سے پکارتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس سالہ زندگی صاف اور شفاف انداز میں ان کے سامنے تھی۔ پھر احکامات ربانی کا مذاق اُڑانا گستاخی کے مترادف ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حسب و مراتب کا تعین کر دیا گیا اور تعظیم کے لائق مقدم ترین ہستی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھہرایا گیا۔ اکثر علماء تو حضور اکرمؐ کی تعلیمات اور احادیث بیان کرنے اور روضۂ رسولؐ کے پاس گزرتے وقت ادب واحترام کی ایسی کیفیت کو برقرار رکھنے کے قائل ہیں جو سورۃ الحجرات کی ابتدائی آیات میں متعین کر دی گئی۔

ادب و آداب کے اہتمام کے حوالے سے ارشاد ربانی ہے: ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو راعنا نہ کہا کرو بلکہ انظرنا کہو اور توجہ سے بات سنو، یہ کافر تو عذاب الیم کے مستحق ہیں۔'' (البقرۃ-۲:۱۰۴)

یہود چونکہ بغض رکھتے تھے اور گفتگو کے دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ چھوٹا سمجھتے ہوئے راعنا استعمال کرتے جس کا ظاہری مطلب تو ٹھہریے اور ہماری بات سنیے تھا مگر کچھ دوسرے ایسے مطالب بھی تھے جو ابہام پیدا کرتے تھے۔ اس لیے مسلمانوں کو انظرنا جیسا واضح لفظ استعمال کرنے کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت

اور فوقیت کو مومنوں کے دلوں میں یقینی بنایا ہے۔ چونکہ یہود اس لفظ کو کھینچ کر راعنا جس کے معنی ہمارے چرواہے ہے، ہوجاتا تھا اور وہ قلبی طور پر بھی یہی کہنا چاہتے تھے اور اللہ دلوں کے حال سے واقف ہے۔ اس لیے حقیقت کو ظاہر کردیا گیا اور یہ بھی تو سمجھا جاسکتا ہے کہ کسی مسلمان سے غلطی سے یہود والی ادائیگی نکل جائے اور اہانتِ رسول کا پہلو نکل آئے۔ اس لیے مومنین کو اس لفظ کی ادائیگی سے روک کر مترادف کے طور پر خوبصورت لفظ بتادیا گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تفوق مسلمانوں کے لیے جزوایمان ہے۔ ارشاد فرمایا: ''بلاشبہ نبیؐ تو اہل ایمان کے لیے ان کی اپنی ذات پر مقدم ہیں۔''

اس حکم کے بعد بال برابر بھی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ کوئی شانِ رسالتؐ میں اہانت کا ارتکاب کرے اور اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس کی سزا موت ہے۔ خود رسولؐ نے ایسے لوگوں کے لیے سزا مقرر کی اور اس پر عملدرآمد بھی کیا گیا۔ اس سلسلے میں قرآنِ کریم میں واضح طور پر ارشاد ہوا: ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کرتے ہیں وہ اُسی طرح ذلیل وخوار کردیے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے کے لوگ ذلیل و خوار کیے جاچکے ہیں۔'' (المجادلہ-۵۸:۵)

یہاں واضح طور پر گستاخِ رسولؐ کے لیے سزا کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ الکبت کے معنی گرانے، ذلیل کرنے اور رُسوا کرنے کے ہیں۔ اسی طرح کبتوا کی معنی ہلاک کرنے اور رُسوا کرنے کے ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے شخص کا مقدر موت ہے۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: ''تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کی ہے، خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے، یا ان کے بھائی یا ان کے اہل خاندان۔'' (الحشر-۵۹:۲۲)

یہاں صاف صاف اہل ایمان اور جھٹلانے والوں کا فرق واضح کردیا گیا۔ بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام خونیں رشتوں سے بڑھ کر متعین کردیا گیا۔ اس لیے اب کیا گنجائش رہ جاتی ہے کہ انکار کرنے والوں کو اور خاص طور پر ان کو جو دشنام طرازی بھی کریں، اسلامی معاشرے میں رہنے دیا جائے۔ بنیادی اعتبار سے گستاخی کرنے والوں کی سزا موت ہے۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کے قتل کا حکم دیا ہے جس کا تذکرہ احادیث میں ملتا ہے اور یہی نہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''کیا انہیں معلوم نہیں ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسولؐ کا مقابلہ کرتا ہے، اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا؟ یہ بہت بڑی رُسوائی ہے۔'' (التوبہ-۹:۶۳)

یعنی آخرت میں بھی ان کے لئے بڑی عذاب کی وعید ہے۔ اگر کوئی مرتد ہوجائے اور مدتِ معینہ میں توبہ کرکے پلٹ آئے تو اس کی معافی ہوجاتی ہے۔ لیکن اس بات پر مفسرین متفق ہیں کہ گستاخِ رسولؐ چونکہ کسی عام فرد کی دل شکنی کا باعث نہیں بلکہ شانِ رسالتؐ میں گستاخی کا مرتکب ہے اور شاتمِ رسولؐ ہے اس لیے اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی۔

بلاشبہ ایک ایسے معاشرے میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت اور حکومت ہو، ان احکامات کو قائم کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے لیے خاندانی نظام میں کوشش کی جانی چاہیے کہ اپنے بچوں کو نبی محترمؐ کے مقام سے واقف کرائیں اور اوائل عمری سے ان کی ایسی تربیت کی جائے جس سے ان کے دل ودماغ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے مطیع وفرمانبردار بنے رہنے کا سبق اَزبر ہو۔ اسی صورت میں اہل ایمان سے تو یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ مرتد ہوجائیں یا گستاخی کا احتمال کریں۔ رہے کم علم اور غیر مسلم تو وہاں بھی اس بات کا شائبہ موجود ہے کہ کسی کے کہنے میں آکر یا مسلمانوں کو چڑھانے کی وجہ سے ایسی حرکت کے مرتکب ہوں۔ اس لیے ضروری ہے کہ قوانین کی تیاری کے وقت سزاؤں کو واضح کیا جائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کو مقدم نہ رکھنے اور اس سے رُوگردانی کرنے والوں کے لیے سزائیں مقرر ہوں۔ آئینِ پاکستان میں اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ کوئی گستاخی کا مرتکب ہو تو اسے قرار واقعی سزا دی جائے تاکہ اس قسم کے واقعات کا انسداد ہوسکے۔ یہی تحفظِ ناموسِ رسالت کا تقاضا بھی ہے۔

○○○

قاضی مفتی سلیمان رحمانی

امیرو کچھ نہ دو...

مگر طعنہ تو نہ دو ان فقیروں کو!

محترم قارئین کرام! انفاق عربی کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں مال خرچ کرنا، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کو کثرت کے ساتھ استعمال فرمایا ہے، نیز قرآن مجید جب انفاق فی سبیل اللہ کا لفظ استعمال کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بندہ اپنا مال اور اپنی دولت اللہ کے راستہ میں خرچ کرے، کیونکہ اللہ نے ہی اس کو مال و دولت عطا فرمائی ہے، اس لیے بندے کا حق ہے کہ وہ اس مال کو اللہ کی مرضی کے مطابق اس کے راستہ میں خرچ کرے، عموماً یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ جس بندے کو اللہ مال و دولت عطا کرتے ہیں، وہ عیش و عشرت کی زندگی گزارنے میں مصروف ہوجاتے ہیں، اپنی خواہشات کی تکمیل ہی اس کی زندگی کا واحد مقصد بن جاتی ہے اور جس ہستی نے اس کو یہ ساری دولت عطا کی ہے اس کی عبادت اور اس کی راہ میں خرچ کرنے کا ذرا بھی اس کو خیال نہیں رہتا ہے، عیش و عشرت کی زندگی اس کے دل سے محبت خدا نکال دیتی ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مال و دولت کی بنیاد پر وہ دنیاوی معیار کو بلند سے بلند کرتا چلا جاتا ہے، مگر آخرت سے دور ہوتا چلا جاتا ہے اور بالآخر اسی حالت میں وہ اس دنیا سے کوچ کر جاتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ''جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے نہ کوئی دینار چھوڑا نہ کوئی بکری چھوڑی اور نہ ہی کوئی اونٹ چھوڑا۔'' یہی وہ جذبہ انفاق ہے جس کو اُبھارتے ہوئے قرآن کریم میں اللہ ارشاد فرماتا ہے۔ ''ان لوگوں کی مثال جو اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں، ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اس سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو سو دانے ہوں، اللہ جسے چاہتا ہے اس سے بھی زیادہ اضافہ کرتا ہے، اللہ وسعت والا اور علم والا ہے۔'' (سورۃ البقرۃ) دنیا کا عام قاعدہ ہے کہ جو چیز خرچ کرو اس میں کمی واقع ہوتی ہے، لیکن اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا معاملہ بالکل برخلاف ہے، جب کوئی بندہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو اللہ اس بندے کو اس کا نعم البدل عطا فرماتے ہیں، ایک اور جگہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ''جو چیز بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو اس کا عوض ضرور بالضرور دے گا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''صدقہ اور خیرات سے کبھی مال میں کمی واقع نہیں ہوتی، بندہ عفو و درگزر سے کام لے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ فرماتا ہے اور تواضع اختیار کرے تو اسے سربلندی عطا فرماتا ہے۔''

قارئین کرام! اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا یہ ایسا کام ہے، جس کے ذریعہ انسان میں جذبہ قربانی، ایثار و بے نفسی اور استغنا کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ مال و دولت اور یہ دنیا دائمی نہیں بلکہ عارضی شئے ہے، مرنے کے بعد یہ دولت کچھ کام نہیں آئے گی، اگر یہ دولت کچھ کام آئے گی تو وہ ہے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا، کیونکہ وہ خرچ کی ہوئی دولت اللہ کے پاس ذخیرہ ہوجائے گی، ارشاد باری ہے ''اے مومنو! نیکی کو تم اس وقت تک نہیں پاسکتے جب تک کہ تم اپنی محبوب چیز کو اللہ کے راستہ میں خرچ نہ کرو۔'' انسان جب اپنی محبوب ترین چیز کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرے گا تو لامحالہ اس کے اندر جذبۂ قربانی و ایثار پیدا

ہوگا، مال ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو بہت زیادہ محبوب ہے، اگر اس نے اس مال کو راہِ خدا میں قربانی کیا تو موقع آنے پر وہ راہِ خدا میں اپنی جان کی بھی قربانی دے سکتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جذبے (انفاق فی سبیل اللہ راہِ خدا میں خرچ کرنا) سے متعلق صحابہ کرامؓ کی خوب تربیت کی تھی، چنانچہ آپ سیرت کی کتابوں کا مطالعہ کریں تو جگہ جگہ اس کی نمایاں مثالیں آپ کو دیکھنے کو ملیں گی، چنانچہ غزوہ تبوک ہی کا ایک واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو راہِ خدا میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کی ترغیب دے رہے تھے، حضرت عثمانؓ کھڑے ہوکر فرمانے لگے، اے اللہ کے رسول! میں راہِ خدا میں سو (100) اونٹ فراہم کروں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ترغیب دی، حضرت عثمانؓ نے فرمایا، اے اللہ کے رسول! میں دو سو (200) اونٹ راہِ خدا میں دوں گا، پھر تیسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب دی، پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا، اے اللہ کے رسول! میں تین سو (300) اونٹ فی سبیل اللہ دوں گا، نیز غزوۂ تبوت کا ایک اور واقعہ جس کے متعلق حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو راہِ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب دے رہی تھے، اس وقت میرے پاس کافی مال موجود تھا، میں نے دل میں سوچا کہ آج تو میں حضرت ابوبکرؓ سے بازی لے ہی جاؤں گا، چنانچہ میں نے اسی غرض سے اپنے مال کا آدھا حصہ لاکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کردیا، آپ نے مجھ سے پوچھا کہ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ میں نے کہا اسی کے مثل آدھا چھوڑ کر آیا ہوں، اسی اثنا میں حضرت ابوبکرؓ اپنے تمام مال کے ساتھ تشریف لے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی یہی سوال پوچھا، تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں، اس پر میں نے کہا کہ اب میں کبھی حضرت ابوبکرؓ سے سبقت نہیں لے جاسکتا، یہی وہ حضرت عمرؓ ہیں، جو روزانہ اپنی رعایا کی خبرگیری فرمایا کرتے تھے، ایک دن ایک صحابیؓ کی رات کی تنہائی میں آپ سے ملاقات ہوئی پوچھا: اے امیر المومنین! اس وقت رات کے سناٹے میں آپ کہاں تشریف لے جارہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ میری خلافت میں ایک کتا بھی بھوکا پیاسا مرگیا تو مجھ سے اس کے متعلق کل قیامت میں بازپرس ہوگی۔ اور آج کے حکام کو دیکھو! سب اپنی اپنی فکر میں لگے ہوئے ہیں، کئی غریب بھوک سے مررہے ہیں، کئی پیاس سے مررہے ہیں، مگر انہیں ان کی کوئی فکر نہیں۔ اگر اللہ پاک نے آپ کو مال عطا فرمایا ہے تو آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ غریبوں کا پورا پورا خیال رکھیں، ایک بات یاد رکھیے، جب کوئی بندہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو اللہ اس کا بدلہ اس کو دنیا و آخرت دونوں جگہ عطا فرماتے ہیں، قرآن کریم میں اللہ خود کہہ رہا ہے۔ ''جو چیز تم خرچ کروگے سو اللہ اس کا عوض تم کو دے گا۔'' (سورۂ سبأ) ایک روایت میں ہے کہ ''جب کوئی کسی مسکین کو روٹی یا کھانا دیتا ہے تو اس کے بدلے اللہ تین آدمیوں کو جنت عطا فرماتا ہے۔ 1- جو اس مال کا مالک ہے جس نے وہ مال کمایا ہے۔ 2- کھانا بنانے والی کو۔ 3- وہ خادم جس نے وہ کھانا لے جاکر اس مسکین کو دیا ہو۔'' سبحان اللہ! کیا کریم ذات ہے پاک پروردگار کی کہ جو مسکین کی مدد پر تین تین لوگوں کو جنت عطا فرمارہی ہے۔ مزید اللہ کی رحمت دیکھیے، جب بندہ اپنی طاقت کے بقدر اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو اللہ اس بندے کو اپنی شایانِ شان کے بقدر عطا فرماتے ہیں، نیز مذکورہ بالا واقعات ہماری تاریخ کے سنہرے اوراق پر نقش ہے، ان واقعات کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت اہل ایمان میں انفاق فی سبیل اللہ کی کیا اہمیت تھی، ان کا ایمان اتنا پختہ تھا کہ کوئی بھی حکم نازل ہوتا، وہ اس کا عملی نمونہ پیش کرنے کے لیے تیار رہتے، بلکہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے، کیا آج امتِ مسلمہ کے افراد اس کردار کو ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔

قارئین کرام! معاشرہ انسانوں کے مجموعہ سے تیار ہوتا ہے، اس میں طرح طرح کے افراد ہوتے ہیں، صاحب ثروت بھی اور غریب بھی، فقراء بھی اور مساکین

بھی، صالح و نیک معاشرہ کی ذمہ داری ہے کہ اس کے صاحب ثروت افراد ان لوگوں کا خیال رکھیں، جو خستہ حالی سے دوچار ہیں، جب امراء غرباء پر خرچ کریں گے اور ان کے مالی مسائل کو حل کریں گے تو اس سے غرباء کے اندر بھی تعاون کا جذبہ پیدا ہوگا اور معاشرہ فلاح و بہبود کی طرف گامزن ہوگا، برعکس اس معاشرہ کے جس کے امراء تو پیٹ بھر کر سو جائیں اور غرباء فاقہ کشی میں مبتلا ہو جائیں تو وہ معاشرہ کبھی بھی ترقی کی طرف گامزن نہیں ہوسکتا ہے، انفاق فی سبیل اللہ حقوق العباد کے ادا کرنے کا بہترین طریقہ ہے، انفاق کرنے سے باہمی محبت والفت پیدا ہوتی ہے، اہل ثروت جب غربا و مساکین کا مالی تعاون کریں گے تو غرباء کے دلوں میں ان کی محبت گھر کر جائے گی، اس سے ایک طرف غریبی کا خاتمہ ہوگا، وہیں دوسری طرف اُلفت ومحبت ایک ایسے تناور درخت کی شکل اختیار کرلے گی، جس کو باطل ہواؤں کے تھپیڑے اکھاڑ نہ سکیں گے۔

نام و نمود سے بچئے

راہ خدا میں خرچ کرنا بہت پسندیدہ عمل ہے، لیکن اس عمل کو اتنا ہی محتاط طریقہ سے انجام دینا چاہیے، ذرا سی غفلت آپ کی ساری کمائی کو بے وقعت بنا سکتی ہے اور آخرت میں الگ اس کے انجام سے دوچار ہونا پڑے گا، راہِ خدا میں خرچ کرتے وقت ذرا بھی نام ونمود، شہرت، دکھاوا یا کسی بھی طرح کی بلندی کا احساس آپ کے اندر نہ ہو، صرف خدا کی رضا جوئی ہی مقصود ہو تو آپ کا عمل قابل قبول ہوگا، ورنہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اللہ خود اپنے کلام میں کہہ رہے ہیں۔ ''اے ایمان والو! تم اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دل آزاری کرکے باطل نہ کرو، اس شخص کے مانند جو اپنا مال دکھانے کے لیے خرچ کرتا، اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا اس شخص کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان ہو، جس پر کچھ مٹی ہو اور اس پر بارش ہو جائے اور اس مٹی کو بہا کر چٹان کو صاف کردے، ایسے لوگوں کو ان کی کمائی سے کچھ بھی نہیں ملے گا اور اللہ کافروں کو راہ یاب نہیں کرتا۔'' اس آیت سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو راہِ خدا میں خرچ کرنے کے بعد احسان جتائیں اور نام ونمود کے خواہشمند ہوں، ان کے لیے یہ سودا بجائے نفع کے خسارے کا سودا ہوگا۔

لمحہ فکریہ

قرآن کریم میں اللہ رب العزت ارشاد فرمارہے ہیں کہ: ''سائل کو مت جھڑکو۔'' (سورۂ ضحیٰ) دن بھر میں کئی مرتبہ سائل سوالی بن کر، حاجت مند اپنی حاجت لے کر، ضرورت مند اپنی ضرورت لے کر، پریشان حال اپنی پریشانی لے کر، روزانہ ہمارے دروازے پر آتے ہیں، کبھی یہ بس اسٹاپ پر ملتے ہیں تو کبھی یہ ریلوے اسٹیشن پر، کبھی بس میں ملتے ہیں تو کبھی ریل کے ڈبہ میں، کبھی سڑکوں پر، تو کبھی سگنلوں پر، کبھی بینک کے باہر، تو کبھی دواخانوں کے باہر، کبھی یہ فنکشن ہال کے باہر نظر آتے ہیں، تو کبھی ہوٹلوں کے باہر، کبھی یہ ہماری دکان پر، تو کبھی شاپنگ مال کے باہر تو کبھی بازاروں میں، کبھی سفر میں، تو کبھی حضر میں، کبھی معصوم بچوں وبچیوں کی شکل میں، تو کبھی مرد وخواتین کی شکل میں، کبھی جوان کی شکل میں، تو کبھی بوڑھوں کی شکل میں، کبھی معذوروں کی شکل میں، تو کبھی مجبوروں کی شکل میں، یہ حضرات ہمیں کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی جگہ، روزانہ ضرور بالضرور ملتے ہیں، مگر بہت کم لوگ وہ ہوتے ہیں جو ان کی ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں، مگر اکثر لوگ وہ ہوتے ہیں جو ان کا تعاون تو کرتے نہیں، بلکہ ان کو جھڑکتے ہیں، ذلیل کرتے ہیں، اس لیے کسی شاعر نے بالکل صحیح کہا ہے۔

امیرو! کچھ نہ دو مگر طعنہ تو نہ دو ان فقیروں کو
ذرا سوچ! اگر منظر بدل جائے تو کیا ہوگا؟

چلیے! آج سے ہم یہ عہد کرتے ہیں کہ جس جگہ بھی، جس وقت بھی، جس مقام پر بھی، جو ضرورت مند ہمیں ملے گا ہم اس کی ضرورت کو پورا کریں گے، ان کو ذلیل نہیں کریں گے، جھڑکیں گے نہیں، ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں گے، اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں خدمتِ خلق کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

○○○

مفتی محمد وقاص رفیع

نیک کاموں میں سبقت حاصل کرنے کی فضیلت

اسلامی تاریخ کا اگر توجہ سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگوں پر ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے جس میں ہمارے معاشرے کا ہر فرد ہمیشہ نیک اور اچھے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرنے کی فکر اور کوشش میں لگا رہتا تھا اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے اور اس میں کمال حاصل کرنے کو اپنی ترقی کی معراج سمجھتا تھا، دنیا اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ ان کی نظر میں پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتی تھی، ان کے نزدیک دنیاوی کاموں کے مقابلے میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ، خیرا اور جہاد وقتال وغیرہ خیر و بھلائی کے کام وقیع اور قابل قدر تھے۔

چنانچہ اگر ہم اس زاویے سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مبارک زندگیوں پر نظر ڈالیں تو اس حوالے سے ہمیں اس کی بیسیوں مثالیں ایسی ملیں گی کہ جن پر عمل کرنے کا شوق اور جذبہ از خود ہی ہمارے دل و دماغ میں انگڑائیاں لینا شروع کردے گا اور ہمیں ان پر عمل پیرا ہونے پر آمادہ کرے گا۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں تین آدمیوں کو ایک اونٹ ملا (جس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے) چنانچہ حضرت ابولبابہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اونٹ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدل چلنے کی باری آئی تو دونوں حضرات نے عرض کیا کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار رہیں) ہم آپ کی جگہ پیدل چلیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دونوں مجھ سے زیادہ طاقت ور بھی نہیں ہو اور نہ میں تم سے زیادہ اجر ثواب سے مستغنی ہوں۔ (بلکہ مجھے بھی ثواب کی ضرورت ہے، اس لیے میں بھی پیدل چلوں گا)۔ (نسائی و احمد) حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا جو بیٹھ کر نماز پڑھ رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے سے آدھا ثواب کم ملتا ہے، یہ سن کر تمام لوگ مشقت اور تکلیف کے باوجود کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ (معجم کبیر للطبرانی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو ان دنوں مدینہ میں بخار کا زور تھا، چنانچہ لوگوں کو بخار ہونے لگا، ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو لوگ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیٹھ کر پڑھنے والے کی نماز ثواب میں کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے آدھی ہوتی ہے۔ (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضورؐ اور آپ کے صحابہؓ مدینہ آئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدینہ کا بخار چڑھ گیا اور اتنے بیمار ہوئے کہ انہیں بڑی مشقت اٹھانی پڑی، البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بخار سے محفوظ رکھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بخار سے اتنے کمزور ہوگئے تھے کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھا کرتے تھے، ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور صحابہ رضی اللہ عنہم اسی طرح بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ یہ جان لو کہ بیٹھ کر پڑھنے والے کی نماز (ثواب کے اعتبار سے) کھڑے ہو کر پڑھنے والے کی نماز سے آدھی ہوتی ہے۔ یہ فضیلت سن کر تمام

مسلمان کمزوری اور بیماری کے باوجود زیادہ ثواب حاصل کرنے کے شوق میں بہ تکلف کھڑے ہوکر نماز پڑھنے لگے۔ (البدایہ عن ابن شہاب زہریؒ) حضرت عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس بات کا ارادہ فرمایا کہ وہ شادی نہیں کریں گے، تو ان سے (ان کی بہن) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آپ شادی کریں، کیونکہ اگر بچے پیدا ہوکر مر گئے تو آپ کو (صبر کرنے کی وجہ سے) ثواب ملے گا اور اگر وہ بچے زندہ رہے تو وہ آپ کے لیے دعا کرتے رہیں گے۔ (طبقات ابن سعد) حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما دریائے فرات کے کنارے ''صفین'' کی طرف چلے جارہے تھے تو انہوں نے یہ دعا مانگی: ''اے اللہ! اگر مجھے یہ معلوم ہوجائے کہ تو مجھ سے اس بات سے راضی ہوگا کہ میں اپنے آپ کو اس پہاڑ سے نیچے گرادوں اور لڑھکتا ہوا نیچے چلا جاؤں (اور یوں خود کو ہلاک کردوں) تو میں اس طرح کرنے کے لیے بالکل تیار ہوں۔ اور اگر مجھے یہ معلوم ہوجائے کہ تو مجھ سے اس بات سے زیادہ راضی ہوگا کہ میں بہت بڑی آگ جلاکر اس میں چھلانگ لگادوں تو میں اس کے لیے بھی بالکل تیار ہوں۔ اے اللہ! اگر مجھے یہ معلوم ہوجائے کہ تو مجھ سے اس بات سے راضی ہوگا کہ میں پانی میں چھلانگ لگاکر ڈوب کر مرجاؤں تو میں اس کے لیے بھی بالکل تیار ہوں۔ اور میں یہ جنگ صرف تیری وجہ سے لڑ رہا ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ جب میرا مقصد تجھ کو راضی کرنا ہی ہے تو تو مجھے نامحروم نہیں کرے گا۔ (طبقات ابن سعد)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں آج جتنا خیر کا کام کررہا ہوں یہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سے دوگنا کام کرنے سے زیادہ محبوب ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمیں آخرت کی ہی فکر ہوتی تھی، دنیا کی فکر ہوتی ہی نہیں تھی اور آج تو دنیا ہماری طرف امڈی چلی آرہی ہے۔ (حلیۃ الاولیاء)

حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو مال دیا اور کچھ لوگوں کو نہ دیا، تو جن کو نہ دیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ناراض ہوگئے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کچھ لوگوں کو اس لیے دیتا ہوں کہ اگر نہ دوں گا تو مجھے ڈر ہے کہ بے صبری کریں گے اور گھبرانے لگ جائیں گے۔ اور جن لوگوں کے دل میں اللہ تعالیٰ نے خیر اور استغنا کے جذبات رکھے ہیں انہیں اسی خیر اور استغنا کے حوالے کردیتا ہوں۔ اور عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ بھی ان ہی لوگوں میں سے ہیں۔ حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بالکل پسند نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس فرمان کے بدلے مجھے سرخ اونٹ مل جائیں۔ (صحیح بخاری)

قارئین کرام! اب آپ ذرا دوسرے زاویے سے اپنے آج کے دینی و اسلامی معاشرے کا جائزہ لیں اور اپنی موجودہ حالت پر ایک نظر ڈالیں تو آپ کو زمانہ خیر القرون کے معاشرے کی بہ نسبت آج کے معاشرے میں مسابقت الی الخیرات کی صفت ایمانی کا کافی حد تک واضح طور پر فقدان ہوتا نظر آئے گا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ ہمارے خیال میں اس کی سب سے بڑی اور اہم وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ ہم لوگوں نے قرآن و حدیث اور اسلامی تعلیمات سے دوری اختیار کررکھی ہے۔ آپ کو یقیناً علم ہوگا کہ جب سے جدید سائنس اور ٹیکنالوجی نے کروٹ لی ہے اور دنیا کو ایک نئے راستے پر گامزن کیا ہے تب سے ہم لوگوں نے قرآن وحدیث اور اسلامی تعلیمات کو کلیتاً پس پشت ڈال دیا اور اپنے اسلاف واکابر اور بزرگوں کی سنہری زندگیوں کو یکسر فراموش کردیا ہے۔ آج ہم لوگ دنیا کی مادّی اور فانی چیزوں میں تو ایک دوسرے کے مقابلے میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، لیکن کبھی ہم نے حرف غلط کے طور پر بھی یہ سوچا ہے کہ خیر و بھلائی اور دین کے کاموں میں بھی ہمیں ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرنی چاہئے؟ کبھی بھی نہیں، اس لیے کہ نیک وصالح اعمال کرنے کا ہمارے اندر جذبہ ہی نہیں۔ جہاں کہیں نام ونمود، عزت آبرو اور شہرت مقصود ہو تو وہاں ہم "فاستبقوا الخیرات" کا بہت عمدہ مظاہرہ کرنے لگتے ہیں۔

○○○

مفتی امانت علی قاسمی

بیت المقدس

مسلمانوں کی مذہبی میراث

اس روئے زمین پر اللہ کا پہلا گھر خانۂ کعبہ ہے اور دوسرا خانۂ خدا، مسجد اقصیٰ ہے، ایک روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا یا رسول اللہ! سب سے پہلی مسجد کون سی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا مسجد حرام، سوال ہوا اور دوسری؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد اقصیٰ، پوچھا گیا ان دونوں کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چالیس سال کا۔ یہ مسئلہ علماء کے درمیان اختلافی ہے کہ مسجد حرام کی تعمیر سب سے پہلے کس نے کی؟ ایک روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اور ایک روایت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے۔ اسی طرح اس میں بھی اختلاف ہے کہ مسجد اقصیٰ کی تعمیر سب سے پہلے کس نے کی ہے؟ ایک قول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اور دوسری روایت ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے۔ لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ خانۂ کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اور بیت المقدس کی تعمیر حضرت یعقوب علیہ السلام نے کی ہے، اس لیے کہ ان دونوں کی عمر میں چالیس سال کا فاصلہ ہے، جب کہ حضرت ابراہیم اور حضرت سلیمان کی عمر میں کئی سو سال کا فاصلہ ہے۔

اسلام کے ابتدائی زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، مکہ میں تیرہ سال اور مدینہ ہجرت کرنے کے بعد سولہ یا سترہ مہینہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہے، اس لیے مسجد اقصیٰ مسلمانوں کا قبلہ اول ہے، جس طرح مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی فضیلت ہے اسی طرح مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی فضیلت ہے، مسجد حرام کی بہ نسبت مسجد اقصیٰ میں ایک چوتھائی ثواب ملتا ہے، ایک روایت میں ہے مسجد حرام میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک ہزار نمازوں کا ملتا ہے اور مسجد اقصیٰ میں ڈھائی سو نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے، یہ وہ جگہ ہے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کی امامت فرمائی ہے، سفر معراج کی پہلی منزل بیت المقدس ہے۔ بعض روایت میں ہے کہ معراج پر تشریف لے جاتے وقت ہی آپ نے انبیاء کی امامت فرمائی تھی۔ جب کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس میں فجر کی نماز میں انبیاء کی امامت فرمائی، ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبادت کی نیت سے کسی مسجد کا سفر کرنا درست نہیں ہے، سوائے تین مساجد کے: مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ یہ وہ وجوہات ہیں جن کی بنیاد پر بیت المقدس سے مسلمانوں کا رشتہ ایمانی اور مذہبی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ مسلمان بیت المقدس کو فتح کر لیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی بہت جلد پوری ہوگئی اور 14 میں حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں حضرت عبیدہ بن الجراحؓ نے لشکر کشی کی اور فلسطین کا محاصرہ کر لیا، اس وقت اس کا نام ایلیا تھا، چالیس روز کے محاصرے کے بعد یہودی مصالحت کے لیے تیار ہوگئے، لیکن ان کی شرط تھی کہ مصالحت پر دستخط مسلمانوں کے خلیفہ خود آ کر کریں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ سے مشورہ کیا اور فلسطین تشریف لے آئے اور معاہدہ پر دستخط فرما دیے، جس کی رو سے بیت المقدس پر

مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا اور یہودی جزیہ دے کر مسلمانوں کے زیر سایہ رہنے لگے۔

ایک زمانے تک بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ میں رہا، پانچویں صدی ہجری میں سلجوقی حکومت کا فاطمی حکومت سے مقابلہ ہوا اور فاطمیوں نے ان سے بیت المقدس اپنی تحویل میں لے لیا، اس کے بعد 493ھ میں پہلی صلیبی جنگ ہوئی اور بیت المقدس صلیبیوں کے ہاتھ میں چلا گیا، اس کی بازیابی کے لیے اللہ تعالیٰ نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو پیدا فرمایا، صلاح الدین ایوبی یہ دیکھ کر کہ جس بیت المقدس کے ساتھ مسلمانوں کا والہانہ رشتہ رہا ہے، آج وہ غیروں کے ہاتھوں میں ہے وہ تڑپ جاتے ہیں، ان کی آنکھیں نم ہوجاتی ہیں، ان کے چہروں پر ہمیشہ غم کے آثار رہتے ہیں بالآخر وہ ایک مضبوط فوج تیار کرکے بیت المقدس کی بازیابی کا عزم مصمم کرلیتے ہیں اور سلطان کے عزم و استقلال کے آگے صلیبی فوجیں ڈھیر ہوجاتی ہیں، مقابلہ تو خوب ہوتا ہے، مسلمان بڑی تعداد میں شہید ہوتے ہیں، عیسائی بیت المقدس کے اردگرد بہت مضبوط قلعہ تعمیر کرتے ہیں، جسے عبور کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، لیکن ایوبی کی ہمت اور عزیمت کے آگے مضبوط قلعہ مسمار ہوجاتا ہے اور نوے سال کے عرصے کے بعد 583ھ میں بیت المقدس پر دوبارہ اسلامی پرچم لہرانے لگتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کے فتح ہونے کے بعد وہاں ایک مصلی تعمیر کروایا تھا، پھر اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اس سادہ مصلی کو از سر نو تعمیر کرایا اور اس کے شمالی جانب میں ایک قبہ بھی تعمیر کرنے کا حکم دیا، لیکن ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور یہ کام ان کے ہاتھوں تکمیل کو نہ پہنچ سکا، پھر ان کے بیٹے ولید بن عبدالملک نے المصلی الجامع اور قبۃ الصخرا کو عالی شان انداز میں تعمیر کیا۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ بیت المقدس ایک بہت بڑے احاطہ کا نام ہے، جس کی چاروں طرف سے مضبوط دیواروں کے ذریعہ گھیرا بندی کی گئی ہے اور یہ حصہ غیر مسقف ہے، اس میں المصلی الجامع اور قبۃ الصخرا کے علاوہ اور بھی چیزیں تعمیر کی گئی ہیں اور ہر دور میں مسلم حکمرانوں نے مسجد حرام کی طرح بیت المقدس کی تعمیر و تزئین کاری کے ذریعہ فن تعمیر کی عظیم شاہکاری کا مظاہرہ کیا ہے، آج کل جو بیت المقدس کی تصویر دکھائی دیتی ہے وہ درحقیقت قبۃ الصخرا کی تصویر ہے، بیت المقدس تو بہت بڑے رقبہ پر پھیلا ہوا ہے۔

یہودیوں کے سلسلہ میں اتنا کہہ دینا کافی ہے اسلام کے ابتدائی زمانہ سے وہ مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں، انہوں نے عہد نبوی میں بدعہدی کی، اس کے علاوہ اسلام کو جس طرح نقصان پہنچا سکتے تھے اس سے دریغ نہیں کیا، قرآن نے ان کی عداوت و دشمنی کے سلسلے میں مختلف آیتیں نازل کی ہیں، یہودی فلسطین پر اپنا حق مانتے ہیں اور بیت المقدس کی جگہ پر ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا چاہتے ہیں، اسلام سے قبل یہودی فلسطین میں آباد تھے، لیکن 135ء میں رومی شہنشاہ ہیڈریان نے یہودیوں کو فلسطین سے جلاوطن کردیا تھا، 1700 برس تک یہودیوں کو یہاں آباد ہونے کی اجازت نہیں تھی، اس مدت میں صرف نوے سال تک بیت المقدس عیسائیوں کے قبضہ میں رہا، سب سے پہلی مرتبہ 1880ء میں کچھ یہودی خاندان فلسطین میں آکر آباد ہوئے، پھر 1897ء میں یہودی تحریک معرض وجود میں آئی، جس کا مقصد فلسطین پر قبضہ کرنا اور ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا تھا، 1901ء میں ہرٹزل نے ترکی خلیفہ سلطان عبدالحمید کو لالچ دیا، اس وقت فلسطین خلافت عثمانیہ کی ماتحتی میں تھا کہ آپ فلسطین میں یہودیوں کے مملکت کے قیام کی اجازت دے دیجیے، یہودی ترکی کا سارا قرضہ چکادیں گے۔ لیکن سلطان عبدالحمید نے نہ صرف ان کی پیشکش کو ٹھکرادیا، بلکہ ان کی غیرت ایمانی جوش میں آگئی، انہوں نے کہا کہ ہم اس وطن کی ایک بالشت زمین بھی اس وقت تک نہیں دیں گے جب تک کہ اس پر ہمارا خون نہ بہ

جائے، یہودی اس بات پر سلطان کے مخالف ہوگئے اور 1908ء میں سازش کے ذریعہ ان کو معزول کردیا گیا 1914ء میں جب پہلی جنگ عظیم برپا ہوئی تو برطانیہ نے دو قومی نظریہ کے ذریعہ عربوں اور ترکوں میں منافرت پیدا کردی اور عرب برطانیہ کے اور ترکی جرمنی کی حلیف ہوگئے، اس دوران وائزمین نامی ایک یہودی نے برطانیہ کو یہ پیشکش کی کہ اگر جرمنی پر فتح کی صورت میں فلسطین میں یہودیوں کا قومی وطن بنادیا جائے تو یہودی اس جنگ کا سارا خرچہ برداشت کرنے کو تیار ہیں اور 1917ء میں یہ خفیہ معاہدہ ہوگیا، جسے تاریخ میں اعلان بالفور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہ معاہدہ برطانیہ دھوکے بازی اور بربریت کا عملی ثبوت ہے اور یہ وہ بدنما داغ ہے جسے انگریز کبھی دھو نہیں سکتے، اس لیے کہ عربوں کی زمین پر انگریزوں کو فیصلہ کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا ہے، پھر وہ انگریز شریف مکہ سے بھی وعدہ کرچکے تھے کہ عرب کی زمین پر عرب کی حکومت ہوگی، اسی معاہدے کی وجہ سے شریف مکہ نے ترکی کے خلاف بغاوت کی تھی، جس کی وجہ سے فلسطین اور عراق پر برطانیہ کا قبضہ ہوا تھا، لیکن مسلمانوں سے کیا گیا وعدہ نظرانداز کرکے فلسطین یہودیوں کو دے دیا گیا۔

1917ء میں فلسطین کی یہودی آبادی چھپن ہزار تھی، لیکن اعلان بالفور پر عمل ہونے کی وجہ سے 1921ء میں یہودی آبادی 83 ہزار تک پہنچ گئی اور بڑی تیزی سے یہودی آباد ہونے لگے، 1922ء سے 1947ء کا زمانہ برطانوی انتداب کا زمانہ ہے، جس میں یہودیوں کو بسانے کا کام منظم طور پر کیا جاتا ہے اور فلسطین کی زمین خریدنے کے لیے خزانے کے منھ کھول دیے جاتے ہیں، اب یہودیوں کی آبادی چار لاکھ سے تجاوز کرجاتی ہے، 1947ء میں برطانیہ نے مسئلہ فلسطین کو اقوام متحدہ میں پیش کردیا اور اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین کو عربوں اور یہودیوں کے درمیان تقسیم کردیا اور فلسطین کا پچپن فیصد رقبہ یہودیوں کو اور پینتالیس فیصد رقبہ عربوں کو دے دیا، یہ تقسیم بالکل ظالمانہ تھی کہ عربوں کی زمین بلا کسی وجہ کے زبردستی یہودیوں کو دے دی گئی تھی، اس لیے عرب اس تقسیم سے راضی نہیں تھے، لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ یہودی بھی اس تقسیم سے راضی نہیں ہوئے چنانچہ انہوں نے لڑائی کے ذریعہ عرب کی باقی زمینوں پر قبضہ کرنا شروع کردیا، 14 مئی 1948ء کو یہودیوں نے اپنے قومی وطن اسرائیل کا اعلان کردیا، جسے امریکہ اور برطانیہ نے سب سے پہلے تسلیم کرلیا، اس وقت عرب ممالک نے اس تقسیم کی مخالفت کی اور کوششیں کی، لیکن یہودی جارحیت کے سامنے عربوں کی ایک نہ چلی، بالآخر 1967ء میں عرب اسرائیل جنگ کے نتیجہ پر بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا، بلکہ انہوں نے بیت المقدس کے علاوہ مصر کے صحرائے سیناء اور شام کے جولان کی پہاڑیوں پر بھی اپنا قبضہ جمالیا، اس طرح تیرہ سو سال جو بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ میں تھا یہودیوں کا اس پر قبضہ ہوگیا۔

اب ان کا منصوبہ یہ ہے کہ بیت المقدس کو منہدم کرکے ایک عظیم ہیکل سلیمانی وہاں پر تعمیر کیا جائے، اس کے لیے وہ منصوبہ بند کوششیں کررہے ہیں، کبھی اس کے اردگرد کھدائی کرتے ہیں، سرنگیں بناتے ہیں، تاکہ بیت المقدس کی بنیادوں کو کھوکھلا کیا جاسکے، بیت المقدس میں موجود قبروں کے نشان یا اس کے اسلامی نشان کو مٹا رہے ہیں، اس شہر سے اسلام کے نشان کو مٹانے کے لیے مسجدوں کو مسمار کررہے ہیں، وہاں موجود مسلمانوں کو جبر و تشدد کے ذریعہ فلسطین چھوڑنے پر مجبور کیا جاتا ہے، کبھی بیت المقدس میں آگ لگادی جاتی ہے، گویا ہر طرح بیت المقدس کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، لیکن قربان جایئے فلسطینی مسلمانوں پر کہ بے سروسامانی کے عالم میں اپنے حقوق کے لیے لڑرہے ہیں، اپنی ہمت کا مظاہرہ کررہے ہیں، نوجوان اور بچے بھی اس جنگ میں پیچھے نہیں ہیں۔

(باقی صفحہ.....41.....پر)

مفتی محمد عمران حقانی

حیاء

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام حیاء

کائنات کی سب سے زیادہ بہترین ذات کے متعلق کچھ لکھنے کی جسارت کررہا ہوں جس کا حق ادا کرنے سے کل کائنات قاصر ہے، پشتو کا ایک شاعر کیا خوب کہتا ہے:

بانڑہ درتہ لوگے کم کہ چشمان درتہ لوگے کم
دازۂ تنہا پورہ یم کہ جہان درتہ لوگے کم

ترجمہ: یعنی پلکیں آپ پر قربان کروں یا کہ آنکھیں آپ پر فدا کروں، میں اکیلا تنہا کافی ہوں یا کہ پورا جہان آپ پر قربان کروں۔

زبانیں ان کی مدح کرنے سے عاجز ہیں، قلم اس کی تعریف کرتے کرتے ٹوٹ گئے ہیں، مگر حق پھر بھی ادا نہ ہوا اور حق کیسے ادا ہو، جب خود حق تعالیٰ ہی نے فرمایا ہے: (ورفعنا لك ذكرك) یعنی ہم نے آپ کا ذکر بلند کیا ہے، چنانچہ ان کا یہ ذکر بلند ہوا، زمینوں سے بلند ہوا، پہاڑوں سے بلند ہوا، ہواؤں سے بلند ہوا، آسمانوں سے بلند ہوا، فرشتوں سے بلند ہوا، تمام انبیاء سے بلند ہوا، بلند ہوتے ہوتے، یہاں تک بلند ہوا کہ سدۃ المنتہیٰ پر افضل الملائکہ نے پیچھے رہ کر اپنی عاجزی کا اظہار کیا، لیکن اس کا مقام پھر بھی بہت بلند ہوا، اور فرمان رب ادن منی ادن منی سے اس اونچے مقام پر فائز ہوئے، جس کو شاعر نے یوں بیان کیا ہے:

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجهك المنير لقد نور القمر
لا يمكن الثناء كما كان حقه
بعد از خدا بزرگ تو، ایں قصہ مختصر

یعنی قصہ مختصر یہ کہ خدا کے بعد آپ کا مقام ہے، جس کا مقام اتنا بلند و بالا، اعلیٰ و ارفع ہو، اس کی توصیف و ثنا یہ ذرۂ ناچیز کیسے کرسکتا ہے؟ تاہم شاعر کے اس قول کو مدنظر رکھتے ہوئے:

ما ان مدحت محمداً بمقالتی
لكن مدحت مقالتی بمحمدٍ

(یعنی میں تو اپنے اس مقالے اور مضمون سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعریف نہیں کرسکتا، لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعے سے اپنے مقالے اور مضمون کی تعریف کرلوں گا)۔

نوک قلم سے کچھ نقوش قرطاس کے سپرد کرنے کی کوشش کرتا ہوں، اس ذات کے اوصاف تو بحر بے کنار کے مماثل ہیں، ایک ایک وصف پر صفحات کے صفحات، اوراق کے اوراق اور جلدوں کی جلدیں بھر جائیں (بلکہ بھر بھی چکی ہیں) لیکن اس کے اوصاف پھر بھی مکمل نہیں ہوسکیں گے، اس لیے یہ چند صفحات اس عظیم ذات کی صفات کو اپنے اندر سمونے کے لیے تنگی دامن کی شکایت کررہے ہیں، تاہم یہ امید رکھی جاسکتی ہے کہ روز محشر یہ چند صفحات ہاتھ میں لے کر مدح سراہوں کی صف میں جگہ ملنے کے لیے ان شاء اللہ کام آجائیں گے۔

چنانچہ ان عالی صفات میں سے ایک صفت ''حیاء'' ہے، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر صفت کامل و اکمل اعلیٰ و ارفع ہے، اس لیے آپ کی صفت حیاء اور مقام حیاء بھی سب سے کامل و اکمل اعلیٰ و ارفع ہوگا، جس کی طرف مسلم کی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں اشارہ ہوچکا ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اشد حياء من العذراء فی خدرها، و كان اذا كره شيئاً عرفناه فی وجهه۔
(مسلم:4/1809)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پردہ نشین کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیادار

تھے، کسی چیز کو ناپسند فرمالیتے تو اس کے آثار ہم چہرۂ انور پر محسوس کرتے تھے۔

جس کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں:

1-آپ کی محبوب زوجہ، صدیقہ کائنات، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے غسل فرمایا کرتے تھے، مگر نہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا ہے۔ اس سے بڑھ کر شرم وحیاء کا اعلیٰ مقام اور کیا ہوسکتا ہے؟

2-ابھی تک نبوت بھی نہیں ملی تھی کہ تعمیر خانہ خدا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مشرکین کے ساتھ برابر کے شریک تھے اور پتھر جمع کرنے میں مصروف تھے، آپ کے چچا حضرت عباس نے آپ کو زبردستی برہنہ کیا، تو فوراً بیہوش ہوگئے، اس کے بعد آپ کبھی برہنہ نہیں دیکھے گئے..... ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ ابوطالب نے آپ سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ ایک سفید پوش آدمی دکھلائی دیا، جس نے یہ کہا اے محمد! اپنے ستر کو چھپاؤ۔ (سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم-1/128) حیا کا یہ عالم تھا۔ قربان جاؤں اس حیا کے پیکر پر۔

3-آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاداری کا تیسرا واقعہ یوں ہے کہ جب بحکم خداوندی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوگیا تو آپ نے اس کا ولیمہ کیا اور خاص اہتمام فرمایا اور گوشت روٹی پکوائی اور تقریباً تین سو آدمیوں کو مدعو کیا، اکثر لوگ کھانا کھا کر چلے گئے، بعض لوگ کھانا کھانے کے بعد گھر میں بیٹھے باتیں کرتے رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حرکت ناگوار گزری، مگر آپؐ نے شرم کے مارے کچھ نہ کہا۔ (معارف ادریسی:6/199)

جب کہ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

آیت میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ مہمانوں کے اس طرز عمل سے تکلیف پہنچتی ہے، مگر چونکہ خود گھر کے مہمان ہیں اس حالت میں ان کو ادب سکھانے سے حیاء مانع ہوتی ہے۔

(معارف مفتی شفیعؒ:7/199)

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام حیاء کا عالم ہے کہ اپنے شاگرد اور اپنے ہی ایسے جانثار اور وفادار ساتھی کہ اگر ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ڈانٹ بھی پلاتے تو ناراض نہ ہوتے، بلکہ خوش ہوجاتے اور عمر بھر یاد رکھتے، مگر اس کے باوجود آپ نے زبان مبارک سے کچھ نہ فرمایا، کتنی حیاء ہے؟ میرے رب نے ویسے نہیں فرمایا ہے۔ (وانک لعلی خلق عظیم) یعنی آپؐ اخلاق کے بہت اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔

اسلام میں حیاء کا مقام

اسلام کی دیگر خصوصیات وامتیازات کے علاوہ ایک خصوصیت وامتیاز یہ بھی ہے کہ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہونے کے ساتھ ساتھ حیاء و پاک دامنی کی تعلیمات سے لبریز ہے اور حیاء و پاک دامنی کو حیاء کے پیکر اور عظیم علمبردار (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان مبارک سے "**الحیاء شعبة من الایمان**" یعنی حیاء ایمان کا ایک مستقل شعبہ و شاخ قرار دے کر، وہ بلند و بالا مقام دیا جس سے دنیا کے دیگر مذاہب یکسر عاری ہیں، اگر عاری نہیں تو ان مذاہب میں اتنا بلند و بالا مقام بھی حاصل نہیں، اس کے بالمقابل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف حیاء کا بلند و بالا مقام بیان کیا، بلکہ خود حیاء کا پیکر بن کر امت کے لئے "**اسوة حسنة**" بھی پیش فرمایا، جیسا کہ ماقبل میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے معلوم ہوا۔

"الحیاء شعبة من الایمان" کے فرد پر اثرات

جب اسلامی تعلیمات میں حیاء کو اتنا بلند و بالا مقام حاصل ہے تو فرد کی معاشرتی زندگی پر اس کے کیا اثرات ہوں گے؟ آیئے ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ اس کے اثرات کیا کیا ہیں، چنانچہ یہ تو ایک بدیہی بات ہے کہ انسداد فواحش میں حیاء کا کردار سب سے نمایاں ہے اس لیے کہ حیا کی تعریف ہی یہی ہے کہ: حیاء وہ باطنی خوبی و خصلت ہے جو آدمی کو قبیح (اور فحش) افعال

سے اجتناب کرنے پر مجبور کرتی ہے اور کسی بھی صاحب حق کو حق میں کوتاہی کرنے سے روکتی ہے، یہ بات ابن حجرؒ نے فتح الباری، ج-1، ص:68 میں ذکر کی ہے، نیز صحیحین میں عمران بن حصینؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "الحیاء لایأتی الا بخیر" یعنی حیاء خیر ہی خیر لاتا ہے، علامہ ابن حجرؒ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ حیاء جب کسی کی عادت بن جاتی ہے اور حیا والا خلق حسن کسی انسان میں آجاتا ہے تو اس کی طرف ہر خیر کو کھینچ لاتا ہے اور بالذات (بلاواسطہ) اور بالسبب (بالواسطہ) اس سے خیر ہی خیر صادر ہوتی ہے۔ (فتح الباری: 10/139) گویا حیاء ہر خیر کی جڑ ہے، ہر خیر کی کنجی ہے، تمام اخلاق حمیدہ کی مالک ہے، حیاء کو ایمان میں سے ایک شعبہ قرار دینے کا مقصد بھی یہی ہے کہ حیاء ہر اطاعت کے کرنے کا باعث ہے اور ہر گناہ سے روکنے والی ہے۔ نیز ایمان کی باقی شعبوں کی تکمیل کے لیے داعی بھی ہے، اس لیے اس کو اہتمام شان کے ساتھ علاحدہ ذکر فرمایا۔ (فتح الباری: 1/68)

حیاء کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ یہ ہر خیر کی کنجی ہے، جب کہ دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ ہر شر کے لئے سدباب بھی ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ نبوت کی زبان سے لوگوں کو سب سے پہلے سننے والا کلام یہ تھا: "اذا لم تستحی فاصنع ما شئت" یعنی جب تجھ سے حیاء نکل جائے تو جو چاہے کر گزر، علامہ خطابیؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں خبر کے بجائے امر سے تعبیر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ شر کی مواقع سے انسان کو بچانے والی چیز، حیاء ہی ہے، پس جب انسان حیاء کو چھوڑتا ہے گویا وہ ہر شر کے کرنے پر مامور ہوتا ہے۔

(فتح الباری: 10/540)

ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ جس کے اندر حیاء نہیں ہے، درحقیقت اس میں انسانیت میں سے صرف خون و گوشت ہے، گویا اس کے پاس ذرہ برابر خیر نہیں ہے۔ (مفتاح دارالسعادۃ، 2/227) حیاء کے دونوں پہلوؤں کو ملاحظہ کرنے کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح آشکارا ہوجاتی ہے کہ حیاء ہی وہ صفت ہے جو فرد کے سامنے فواحش کی تمام راہوں کو بند کردیتی ہے اور خیر کے تمام راستوں کو فرد کے لیے سہل کردیتی ہے۔

لہٰذا اس بات میں تو دورائے ہو ہی نہیں سکتی کہ معاشرے میں جتنی برائیاں ہیں، زنا، لواطت، بدنظری، عشق مجازی، فحش گوئی، کسی کی آبروریزی، گالم گلوچ، ڈاکہ زنی، چوری، غیبت، بہتان اور اس کے علاوہ دیگر جتنے فواحش ہیں، اگر فرد اس صفت سے موصوف ہو تو یقیناً اس صفت کی وجہ سے ان فواحش کے انسداد میں اس فرد کا کردار سب سے اعلیٰ ہوگا اور جب معاشرہ ایسے افراد سے بنا ہو، تو بدیہی طور پر اس کے نتیجے میں اجتماعی معاشرہ تمام فواحش اور برائیوں سے پاک ہوگا، اس لیے کہ معاشرہ تو بنتا ہی فرد سے ہے، انفرادی انسان کا اجتماعی معاشرے سے علاحدہ کوئی معنی ہی نہیں ہوتا اور اجتماعیت، انفرادیت کی دشمن ہونے کے بجائے اس کا ایک حصہ ہوتی ہے، کیونکہ اجتماعیت کا وجود فرد پر منحصر ہوتا ہے، اسلام کی نگاہ میں اصل اہمیت فرد کی ہے، ہر فرد کو اللہ تعالیٰ نے شعور عطا کیا ہے، خودی کا احساس دیا ہے، انفرادی خصوصیات بخشی ہیں، اپنی ملکیت میں سے چیزیں امانتاً اس کے سپرد کرکے ان پر تصرف کے اختیارات اسے عطا کیے ہیں، اسی بنا پر انسان منفرداً اللہ تعالیٰ کا نائب اور خلیفہ ہے اور اس حیثیت سے وہ اپنے اعمال کا ذمہ دار اور جواب دہ ہے۔ اور اگر بالفرض خدانخواستہ کوئی فرد اس وصف سے عاری ہو تو انسداد فواحش میں اچھا اور اعلیٰ کردار ادا کرنے کے بجائے وہ ارتکاب فواحش میں مبتلا ہوگا، معاشرے کے تمام فسادات کے لیے بالواسطہ یا بلاواسطہ بنیاد اور جڑ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حیاء جیسی عظیم صفت سے مجھے اور تمام مسلمانوں کو مالا مال کردے اور بے حیائی سے مجھ سمیت تمام مسلمانوں کی حفاظت فرمائیں۔

○○○

محترم علی اصغر چوہدری

اللہ والوں کی نظر

کوئی اندازہ کرسکتا ہے کہ اس کے زور بازو کا نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اللہ والوں کو اگر کسی پر غصہ آئے یا کوئی ناگوار واقعہ پیش آجائے تو وہ بددعا نہیں کرتے اور نہ ہی انتقام لیتے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ان لوگوں کو ہدایت نصیب ہو۔

حضرت سلطان ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ اپنے درویشی کے زمانہ میں ایک بار کسی جہاز میں سوار ہوئے، اس جہاز میں ایک امیر آدمی بھی سوار تھا، جس کے مسخرے اسے خوش کرنے کے لیے روزانہ نقلیں کیا کرتے تھے، ایک روز انہوں نے درخواست کی کہ اگر کوئی غریب آدمی مل جائے تو اس کو دھول دھپا کرتے ہوئے نقلیں کریں، تاکہ لطف زیادہ ہو۔ چنانچہ حضرت ابراہیم اُدھم رحمۃ اللہ علیہ کو فقیر سمجھ کر امیر آدمی کے سامنے لے گئے، اب کوئی دھول لگا رہا ہے، کوئی پکڑ کر گھسیٹ رہا ہے اور یہ اس طرح خاموش ہیں گویا کوئی احساس ہی نہیں رہا ہے۔ جب کافی دیر ہوگئی تو غیرت الٰہی کو جوش آگیا اور ارشاد ہوا۔ ''اے ابراہیم! ان کی گستاخی حد سے بڑھ گئی ہے، کہو تو سب کو غرق کردیں۔''

عرض کیا۔ ''اے اللہ! غرق کرنے کے بجائے ان کو آنکھیں ہی دے دیجیے اور ان خرافات سے نکال لیجیے۔''

سبحان اللہ! یہ سنت کی تابعداری ہے کہ جنگ احد میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک شہید ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ پاک سے درخواست کی ''اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دیجیے کہ یہ نہیں جانتے۔''

حضرت ابراہیم ادھمؒ نے بھی اپنے محبوب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کی۔

اللہ کے ایسے ہی عاشق لوگ قیامت کے دن نور کے ممبروں پر بیٹھے ہوں گے اور ان کو کچھ فکر نہ ہوگی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ان کی اس حالت پر انبیاء علیہم السلام بھی رشک کریں گے، کیونکہ انبیائے کرام کی پیشی ہوگی، ان سے سوال وجواب ہوگا، جو صرف امت کے متعلق ہوگا، جب کہ ان کو کوئی فکر نہ ہوگی، تاہم یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے۔

مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ بہت تیز مزاج مشہور تھے۔ ایک شخص آپ کو آزمانے کے لیے آیا۔ آپ اس وقت مجمع عام میں تشریف رکھتے تھے، اس نے پکار کر کہا، مولانا! میں نے سنا ہے آپ حلال کی پیدائش نہیں ہیں؟ آپ کے اندر ذرا سا بھی غصہ پیدا نہ ہوا اور ہنس کر فرمایا، ''آپ سے کسی نے غلط روایت کی ہے، میرے ماں باپ کے نکاح کے گواہ تو اب تک موجود ہیں۔''

مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ حدیث شریف کا درس دے رہے تھے۔ ایک شخص نے سامنے آکر گالیاں دینی شروع کردیں۔ شاگرد بگڑے اور چاہا کہ اس کی خبر لیں، لیکن آپ نے منع فرمایا کہ جو کچھ کہتا ہے سب تو غلط نہیں ہے، کچھ تو صحیح ہے۔ ایسی باتیں یاد رکھنے اور ان پر غور کرنے سے تکبر پیدا نہیں ہوتا۔ بزرگوں کے کمالات یاد کرنے سے اپنی وقعت کا اندازہ ہوجاتا ہے اور یہ تکبر دور کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔

لیکن ہماری یہ حالت ہے کہ ہماری نظر صرف اپنے ہی نیک اعمال پر رہتی ہے،

اس لیے خود کو نیک اور بزرگ سمجھتے ہیں اور اپنے عیبوں پر نگاہ بھی جاتی ہی نہیں۔ جب کہ دوسروں کے صرف عیب ہی نظر آتے ہیں۔ اس لئے ان کو رذیل اور فاسق سمجھتے ہیں اور ان کے نیک اعمال پر کبھی نظر نہیں کرتے، اس لیے انہیں حقیر سمجھتے ہیں۔

بہت سے لوگوں کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ نماز پڑھتے ہیں۔ تسبیح پھراتے ہیں اور اپنے آپ کو مقدس سمجھتے ہیں اور حقوق العباد ضائع کرتے ہیں۔ دھوکے سے دوسروں کا مال ہتھیا لیتے ہیں اور اس پر بھی دوسروں کو حقیر جانتے ہیں، حالانکہ جیسے نماز ترک کرنا حرام ہے، اس طرح حقوق العباد ادا نہ کرنا بھی حرام ہے اور دوسروں کو حقیر جاننا اور ریاکاری کرنا بھی حرام ہے، ایسے لوگ اپنی ریاکاری کی وجہ سے پکڑے جائیں گے اور وہ گنہگار، جن کو یہ حقیر سمجھتے تھے توبہ کی بدولت نجات پائیں گے۔

کہتے ہیں ایک بزرگ کسی بزرگ کے ہاں مہمان ہوئے۔ میزبان نے خادم سے کہا ''اس صراحی میں سے پانی لانا جو ہم دوسرے حج میں لائے تھے۔'' مہمان بزرگ نے کہا ''آپ نے ایک بات کہہ کر اپنے دونوں حج غارت کردیے۔'' (میزبان نے جس طرح اپنے حج کو ظاہر کیا تھا اسے ریا کہتے ہیں)۔

حضرت سفیان ثوریؒ اور ایک محدث ایک رات کسی جگہ جمع ہوئے اور آپس میں یہ بات طے کرلی کہ ایک دوسرے کو اپنی اپنی احادیث سنائیں چنانچہ ساری رات احادیث سنانے میں گزر گئی، صبح کو اس محدث نے سفیان ثوریؒ سے کہا ''الحمدللہ! آج کی رات تو ہماری اطاعت میں گزری۔''

حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا اگر اس رات کا مواخذہ نہ ہو تو غنیمت ہے۔ کیونکہ میری ساری کوشش یہ تھی کہ آپ کو ایسی احادیث سناؤں جو آپ نے سنی نہ ہوں اور آپ کی کوشش یہ تھی کہ ایسی حدیثیں بیان کریں جو میرے کان میں نہ پڑی ہوں، پس ہم دونوں کا مقصد صرف اپنے علم کا اظہار تھا۔ یہ سن کر دونوں رونے لگے اور اللہ پاک سے دعا کی اللھم اغفرلنا۔ (اے اللہ! ہمیں بخش دے)۔

ہم اپنے آپ کو ٹٹولتے نہیں۔ اگر غور وفکر کریں تو خود بخود محسوس ہوجائے گا کہ ہمارے اندر کون کون سی بلائیں بھری ہوئی ہیں۔ ہم لوگ کھلم کھلا ریاکاری میں مشغول ہیں، لیکن اپنا یہ عیب نظر نہیں آتا۔ اس لیے دوسروں کی عیب جوئی میں لگے رہتے ہیں۔ بزرگ لوگ زمانے کی آفات کو دوسروں کے گناہوں کا نتیجہ نہیں کہتے، بلکہ اسے اپنے گناہوں کی شامت کہتے ہیں۔

حضرت ذوالنون مصریؒ سے لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت! بارش نہیں ہوئی ہے، جس سے قحط سالی ہوگئی ہے۔ آپ دعا کریں کہ بارش ہوجائے۔ فرمایا ''میرے گناہوں کی وجہ سے بارش نہیں ہوتی، مجھ کو مصر سے نکال دو۔''

اسی طرح بزرگوں کو جب کبھی گمان ہوا تو یہی ہوا کہ ہمارے اعمال کی وجہ سے یہ مصیبت زمانے پر آئی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے بال پریشان ہیں، اگر کسی کے دروازہ پر جائیں تو انہیں دھکے دیئے جائیں، اگر کسی کی سفارش کریں تو قبول نہ کی جائے۔ مگر اللہ کے نزدیک ان کی اتنی قدر اور وقعت ہے کہ اگر

امت محمدیہ پر تین باتوں کا خوف

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی امت پر تین باتوں کا خوف ہے:

1- اوّل یہ کہ مال بہت مل جائے، جس کی وجہ سے باہمی حسد میں مبتلا ہوجائیں اور کشت وخون کرنے لگیں۔

2- دوسری یہ کہ کتاب اللہ سامنے کھل جائے (یعنی ترجمہ کے ذریعہ ہر جاہل بھی اس کے سمجھنے کا مدعی ہوجائے) اور اس میں جو باتیں سمجھنے کی نہیں ہیں یعنی متشابہات ان کے معنی سمجھنے کی کوشش کرنے لگیں، حالانکہ ان کا مطلب اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

3- تیسری یہ کہ ان کا علم بڑھ جائے تو اسے ضائع کردیں اور علم کو بڑھانے کی جستجو چھوڑ دیں۔

(معارف القرآن: ج-2/ص:21)

وہ اللہ کے بھروسے پر قسم کھالیں تو خدا انہیں ضرور سچا کردے۔"

جب خدا کے یہاں ان کی بات مانی جاتی ہے تو مخلوق کیونکر نہ مانے گی؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک بار مصر کا دریائے نیل خشک ہوگیا۔ مصر کی گورنر حضرت عمرو بن العاصؓ نے آپ کو لکھا کہ نیل خشک ہوگیا ہے اور یہاں رواج یہ ہے کہ ایک حسین وجمیل لڑکی کو زیور پہنا کر دریا میں ڈال دیتے ہیں اور دریا جاری ہوجاتا ہے۔ (یہ تصرف شیطانی تھا)۔ حضرت عمرؓ نے ایک رقعہ دریائے نیل کے نام لکھا۔ "اے نیل! اگر تو خدا کے حکم سے جاری ہوتا ہے تو جاری رہ اور اگر تو خود جاری ہوتا ہے تو ہم کو تیری حاجت نہیں۔"

جب یہ رقعہ دریا میں ڈالا گیا تو پانی جاری ہوگیا اور اس کے بعد سے یہ دریا پھر کبھی خشک نہیں ہوا۔

اللہ کے نیک اور بزرگ بندے بیمار بھی ہوئے، ان پر مقدمے بھی ہوئے ہیں۔ انہیں فاقہ بھی ہوتا ہے، لیکن وہ پریشان نہیں ہوتے، کیونکہ وہ اپنی خواہش کو اللہ کی خواہش کے تابع کردیتے ہیں۔ اپنی مرضی چھوڑ دیتے ہیں اور اللہ کی مرضی کی اطاعت کرتے ہیں۔ اگر بزرگی کے یہ معنی ہوں کہ کوئی دنیاوی تکلیف نہ ہو تو ساری دنیا تسبیحیں لے کر بیٹھ جاتی۔ لیکن یہ تو انبیائے کرام کے ساتھ بھی نہیں ہوا کہ ان پر دنیاوی تکلیف یا جسمانی بیماری نہ آئی ہو۔ فرعون کو ساری عمر سر کا درد نہیں ہوا تھا تو یہ کوئی بزرگی اور کاملیت کی نشانی تو نہیں ہے۔ دنیادار اپنی خواہش کی وجہ سے ہر تکلیف پر شور مچاتے ہیں اور ہائے ہائے کرتے ہیں، لیکن اہل اللہ کو ہر حالت میں سکون اور اطمینان ہوتا ہے۔

بہلول دانا نے ایک بار کسی بزرگ سے ان کا حال پوچھا تو انہوں نے کہا "کیا پوچھتے ہو اس شخص کے مزاج کو کہ کوئی واقعہ دنیا کا جس کی خواہش کے خلاف نہیں ہوتا ہے؟ ہماری وہ شان ہے کہ ہر بات ہمارے چاہنے کے موافق ہوتی ہے۔" بہلول نے عرض کیا "حضرت! یہ بات تو سمجھ نہیں آتی۔"

فرمایا۔ "بڑی آسان بات ہے، عالم میں جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا کی خواہش کے خلاف تو نہیں ہوتا۔ پس جس نے اپنی خواہش کو خدا کی خواہش میں فنا کردیا ہو تو جب کوئی واقعہ خدا کی خواہش کے خلاف نہیں تو پھر اس کی خواہش کے خلاف بھی نہیں ہوتا۔"

○○○

امام حسن البناء شہیدؒ کی دس ہدایات

- جب اذان کی آواز کان میں پڑے تو نماز کے لئے اُٹھ کھڑے ہو۔
- تم قرآن کی تلاوت کرو یا مطالعہ، یا دوسروں سے سنو، اپنے وقت کا کوئی حصہ بھی بے فائدہ کام میں صرف نہ کرو۔
- گفتگو ہمیشہ صاف ستھری زبان میں کرو، یہ شعائر اسلام میں سے ہے۔
- معاملات میں زیادہ بحث وتکرار سے کام نہ لو۔
- زیادہ نہ ہنسو کہ اس سے دلوں میں سختی آتی ہے۔
- بلند آواز میں گفتگو نہ کرو، اس میں تکبر بھی ہے اور دوسروں کے لئے اذیت بھی۔
- مسخرہ پن اختیار نہ کرو، مجاہد سنجیدہ ہوتے ہیں۔
- غیبت اور الزام تراشی سے بچو۔ تمہاری زبان سے خیر کے سوا کوئی کلمہ نہ نکلے۔
- جس رفیق سے بھی تمہاری ملاقات ہو، اس سے اپنا تعارف کراؤ، خواہ اس نے یہ چاہا ہو، اظہار کیا ہو یا نہ کیا ہو، کیونکہ ہماری دعوت محبت اور تعارف پر استوار ہے۔
- کام زیادہ ہیں اور وقت کم، لہٰذا تم اپنے دوسرے رفقاء کی اس میں مدد کرو کہ وہ اپنے وقت سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرسکیں۔
- اگر تمہارے ذمے کوئی خاص مہم ہو تو اسے کم سے کم وقت میں پایہ تکمیل تک پہنچاؤ۔

ڈاکٹر محمد واسع ظفر

رسول پاک ﷺ کا مشن اور ہماری ذمہ داریاں: ایک محاسبہ

12 ربیع الاول جو اصحاب سیر کے ایک طبقہ کے مطابق یوم ولادت باسعادت نبویؐ ہے (بعض محققین 9 ربیع الاول کے قائل ہیں)، مسلم معاشرہ کے مختلف طبقوں میں مختلف انداز میں منایا جاتا ہے۔ کہیں محفل میلاد ہے تو کہیں جلسہ سیرت النبیؐ، کہیں نعتیہ مشاعرہ کا انعقاد ہے تو کہیں جلوس کا اہتمام ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں اپنی محبت اور عقیدت کے اظہار کے لئے ہی کیا جاتا ہے لیکن احقر کی نظر میں یہ دن اگر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی یاد اور اس کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کے احتساب کے دن کے طور پر منایا جائے تو یہ آپؐ کے تئیں امت مسلمہ کی بہترین خراج عقیدت ہوگی۔

اللہ رب العزت نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک پیدا ہونے والے تمام جن وانس کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا اور ہر دو قوموں کی دنیا و آخرت کی ہر قسم کی فلاح و کامیابی آپؐ کے ذریعہ لائے گئے دین و شریعت کی اتباع کے ساتھ وابستہ کردی۔ چنانچہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ آپ سارے عالم کے انسانوں کو ایک اللہ کی بندگی اور اپنی اتباع کی دعوت دیں، ماننے والوں کو دنیا اور آخرت میں ملنے والے اللہ کے انعامات کی بشارت دیں اور منکروں کو دنیا و آخرت میں سامنے آنے والے اللہ کے عذاب سے ڈرائیں۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ذمہ داری کو قرآن کریم نے مختلف مقامات پر مختلف الفاظ و انداز میں بیان کیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ربانی ہے: قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ، فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۔

ترجمہ: ”آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف، جس کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں، نہیں ہے کوئی معبود اس کے سوا، وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی امی پر، جو کہ یقین رکھتے ہیں اللہ پر اور اس کے سب کلاموں (احکام) پر اور ان کی اتباع کرو تاکہ تم ہدایت پاجاؤ۔“ (الاعراف:۱۵۸)

دوسری جگہ یہ ارشاد فرمایا:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا، وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا۔

ترجمہ: ”اے نبیؐ! بیشک ہم نے ہی آپ کو گواہی دینے والا اور خوشخبریاں سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور بلانے والا اللہ کی طرف اس کے حکم سے اور روشن چراغ۔“ (الاحزاب:۴۴-۴۵)

ایک اور جگہ قرآن کریم نے آپ کی بعثت کا مقصد یوں بتایا ہے:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ، وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا۔

ترجمہ: ”وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت (کا سامان یعنی قرآن) اور سچا دین (یعنی اسلام) دے کر بھیجا تاکہ اس (دین) کو تمام (بقیہ) ادیان

پر غالب کردے اور اللہ تعالیٰ کافی ہے گواہی دینے والا۔ (الفتح:۲۸)

دین اسلام کو باقی ادیان پر غالب کرنا معقولیت اور دلیل و حجت کے اعتبار سے بھی تھا اور حکومت و سلطنت اور اسلامی نظام حیات کے قیام و نفاذ کے اعتبار سے بھی لیکن یہ سب تبھی ممکن تھا جب انسانوں کی اکثریت یا کم از کم ایک معتد بہ تعداد حقیقت کے اعتبار سے اس دین کو اپنی زندگی میں داخل کر لیتی اور اس مشن کو لے کر اٹھ کھڑی ہوتی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک و سلطنت کو اپنی محنت کا اولین ہدف نہیں بنایا بلکہ آپؐ کی محنت کا میدان انسانوں کے قلوب تھے۔ آپ کو ہر وقت یہی فکر دامن گیر رہتی تھی کہ روئے زمین پر بسنے والا ایک ایک انسان کیسے نفس و طاغوت کی بندگی سے نکل کر ایک اللہ کی بندگی کرنے والا، کفر و شرک اور باطل ادیان کی ظلمتوں اور تنگیوں سے نکل کر اسلام کے نور اور اس کی وسعتوں میں داخل ہو جانے والا اور جہنم کے راستہ سے منہ موڑ کر جنت کے راستہ پر چلنے والا بن جائے۔

تاریخ شاہد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی گلیوں میں، کوہ صفا کے دامن میں، ایام حج میں منیٰ کی گھاٹیوں میں، عکاظ، ذوالمجاز اور مجنہ کے بازاروں میں، طائف کی گلیوں میں کیسے ایک ایک انسان کی خوشامدیں کی ہے اور ان خوشامدوں پر آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ آپ کو جھٹلایا گیا، آپ کا مذاق اڑایا گیا، آپ کو طرح طرح کے طعنے دیئے گئے، ڈرایا دھمکایا گیا، آپ کو جادوگر، شاعر اور مجنون کہا گیا، آپؐ کے چہرہ انور پر تھوکا گیا، آپؐ کے اوپر مٹی ڈالی گئی، آپؐ کے جسم مبارک پر نماز کی حالت میں اونٹ کی اوجھری ڈالی گئی، آپ کو مارا پیٹا گیا، آپ کی گردن مبارک میں چادر ڈال کر گھسیٹا گیا اور گلا گھونٹا گیا، آپؐ کا سماجی مقاطعہ (Social Boycott) کیا گیا، آپؐ کے گھر کے دروازے پر اوجھڑی، خون اور گندگیاں پھینکی گئی، آپ کو فقر و فاقہ کی سختیاں بھی برداشت کرنی پڑیں، دو دو بیٹیوں کو بیک وقت طلاق دے دی گئی، طائف کی گلیوں میں پتھر مار مار کر آپؐ کے قدم مبارک کو لہولہان کر دیا گیا لیکن منصب نبوت کو پورا کرنے کے سلسلہ میں آپ کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہیں آئی۔

دعوت پر آپ کی انہیں کہ حضور اکرمؐ حج کے موقع پر عرب کے پاس تشریف لگائیے! حضرت علیؓ ان میں سے کوئی بھی آپؐ کی دعوت کو قبول نہ کرتا تھا اور آپ کی دعوت کو رد نہ کرتا تھا۔ آپؐ عکاظ، مجنہ، اور منیٰ کے بازاروں میں ہر سال ان قبائل کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کو دین کی دعوت دیا کرتے۔ آپؐ ان کے پاس اتنی بار گئے کہ ان قبائل میں سے بعض (دعوت پر آپ کی استقامت کو دیکھ کر حیران ہو کر) یہ کہنے لگ گئے: "ما أن لك أن تيأس منا؟" یعنی کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ آپ ہم لوگوں سے مایوس ہو جائیں۔ (دلائل النبوۃ للحافظ ابی نعیم الاصبہانی، دار الفائس، بیروت، 986ء الاول، صفحہ 300، رقم 4 ت

جائیے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اطہر پر کہ اتنا ہونے کے وجذبہ کے مایوس نہیں ہوئے دیتے رہے۔

ساتھ ان کو ہدایت کی اس قدر آپ انہیں ان کی موت کے اپنے تک دین کی دعوت دیتے۔ چہ یہ قصہ مشہور ہے کہ جب ابوطالب کی موت کا وقت قریب آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور آپؐ نے فرمایا: "اے چچا جان! لا الہ الا اللہ کہہ دیجیے تاکہ قیامت کے دن میں اس کے سبب آپ کے ایمان کی گواہی دے سکوں، تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر اس بات کا احتمال نہ ہوتا کہ قریش یہ کہہ کر عار دلائیں گے کہ موت کی گھبراہٹ نے اس سے اس کلمہ کو کہلا دیا ہے تو میں یہ (کلمہ) پڑھ کر تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈی کر دیتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ قصص کی یہ آیت

نازل فرمائی "اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ..... الآیۃ" جس کا ترجمہ یہ ہے: "آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے اور ہدایت پانے والوں کا علم اسی کو ہے۔ (سنن ترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ القصص، رقم 3101)

صلی اللہ علیہ وسلم یہودی لڑکا جو نبی کریم کی ایک روز بیمار ہوا کرتا تھا جب آپ کے لئے تشریف لائے اس کی عیادت کے سرہانے بیٹھ گئے اور اس کے مسلمان ہوجاؤ۔ اس نے اپنی ایا کہ دیکھا جو وہیں موجود تھے۔ اس کے اس سے کہا کہ ابوالقاسم (یعنی محمد صلی علیہ وسلم) کی بات مان لو۔ چنانچہ وہ لڑکا مسلمان ہوگیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو آپ نے (خوشی میں اور بطور شکر) یہ فرمایا کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اس بچے کو جہنم کی آگ سے بچالیا۔ (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب-29، رقم-1356، بروایت انسؓ)

بنی نوع انسان کی ہدایت کی آپ کی یہ فکر عام حالات تک ہی محدود نہ رہی بلکہ اللہ پاک نے جب آپ کو کفار و مشرکین سے مقابلہ کی اجازت مرحمت فرمادی تو جنگ کے حالات میں بھی آپ نے اس کو مقدم رکھا۔ آپ جب تک کسی قوم کو دعوت نہ دے لیتے اس وقت تک ان سے جنگ نہ کرتے اور یہی ہدایت آپ نے اپنے پیارے ساتھیوں کو بھی دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عائذؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر کو روانہ فرماتے تو ان کو یہ نصیحت فرماتے کہ لوگوں سے موانست پیدا کرو، جب تک ان کو دعوت نہ دے لو ان پر حملہ نہ کرنا اور چھاپہ نہ مارنا کیونکہ روئے زمین پر جتنے کچے پکے مکان ہیں ان کے مکینوں کو اگر تم مسلمان بنا کر میرے پاس لے آؤ تو یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ تم ان کی عورتوں اور بچوں کو میرے پاس (باندی اور غلام بنا کر) لے آؤ اور ان کے مردوں کو قتل کردو۔ (دار الصحابہ از مولانا محمد یوسف کاندھلوی، جلد-6، کراچی، پاکستان، 2003، حصہ 12)

خیبر کے دن جب اللہ تعالیٰ عنہ کو جنگ انہوں نے کہا کہ ہم ان نے جھنڈا اٹھایا تو اس وقت تک جنگ کریں ویوں) سے ہماری طرح (مسلمان) نہ ہوجا تک وہ آپ نے فرمایا تم اطمینان سے چلتے تو یہاں تک کہ جب ان کے میدان میں اتر جاؤ تو ان کو اسلام کی دعوت دو اور اللہ کے جو حقوق ان پر واجب ہیں وہ ان کو بتاؤ (پھر اگر وہ نہ مانیں تو ان سے جنگ کرو)۔ اللہ کی قسم! اگر تمہارے ذریعہ ایک شخص کو بھی ہدایت مل جائے تو یہ تمہارے حق میں سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسیر، دعاء النبی صلی اللّٰه علیه وسلم الی الاسلام والنبوة و ان لا یتخذ بعضهم بعضاً اربابا من دون اللّٰه، رقم-2942، بروایت سہل بن سعدؓ)

جنگ کے دوران مخالفین میں سے جو لوگ گرفتار ہوجاتے اور انہیں رسول پاکؐ کے سامنے پیش کیا جاتا تو آپ انہیں بھی اسلام کی دعوت دیتے۔ حضرت مقداد بن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ جب میں نے حکم بن کیسان کو ایک سریہ میں گرفتار کیا تو ہمارے امیر لشکر (عبداللہ بن جحش الاسدیؓ) نے ان کی گردن مارنے کا ارادہ کیا تو میں نے کہا کہ آپ ان کو چھوڑ دیں، ہم انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جائیں گے۔ چنانچہ ہم انہیں لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ان کو اسلام کی دعوت دینے لگے اور بہت دیر تک دعوت دیتے رہے۔ جب کافی دیر ہوگئی تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کس امید پر اس سے کلام فرمارہے ہیں، اللہ کی قسم! آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی گردن اڑادوں تاکہ نیم رسید ہوجائے لیکن نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی بات پر کوئی توجہ نہ فرمائی اور انہیں مسلسل دعوت دیتے رہے یہاں تک کہ حکم مسلمان ہوگئے۔ اس واقعہ کو زہریؒ نے بھی روایت کیا ہے جس کے اخیر میں یہ ہے کہ حضرت حکم بن کیسانؓ کے اسلام لانے کے بعد آپؐ نے اپنے صحابہ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ اگر میں ان کے بارے میں ابھی تم لوگوں کی بات مان لیتا اور انہیں قتل کردیتا تو یہ دوزخ میں چلے جاتے۔ (کتاب الطبقات الکبیر از محمد ابن سعد، مکتبۃ الخانجی، قاہرہ، 2001، جلد-4، صفحہ-128) اللہ اکبر! کیسے تھے ہمارے پیارے نبیؐ کہ اپنے دشمنوں کی بھی دنیا وآخرت کی خیر خواہی کا اس قدر خیال رکھا۔

لوگوں کو جہنم سے بچانے کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو فکر تھی اسے آپؐ نے خود اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے: (ترجمہ): ''میری مثال اس شخص جیسی ہے جس نے آگ جلائی اور جب اس آگ نے اردگرد کو روشن کردیا تو پتنگے اور حشرات الارض (جو آگ میں آپڑتے ہیں) اس میں گرنے لگے اور اس شخص نے انہیں روکنا شروع کردیا اور وہ (پتنگے وغیرہ) اس پر غالب آتے گئے اور آگ میں گرتے گئے۔ آپؐ نے فرمایا: یہی میری اور تمہاری مثال ہے، میں تمہیں تمہاری کمروں سے پکڑ پکڑ کر آگ سے ہٹاتا ہوں، آگ سے ہٹ آؤ! آگ سے ہٹ آؤ! اور تم میرے قابو سے نکل جاتے ہو اور اسی میں گرتے جاتے ہو۔'' (صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب شفقته صلی الله علیه وسلم علی امته و میالغته فی تحذیرهم مما یضرهم، رقم-5957، بروایت ابوہریرہؓ)

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی ہدایت کی فکر اور ان کے ایمان نہ لانے کا اس قدر غم رہتا کہ اللہ رب العزت نے آپ کو شفقتاً یہ فرمایا: فلعلک باخع نفسک علی آثارهم ان لم یومنوا بهذا الحدیث اسفاً۔ (ترجمہ): ''پس اگر یہ لوگ اس کلام پر ایمان نہ لائیں تو شاید آپ ان کے پیچھے اسی رنج میں اپنی جان ہلاک کرڈالیں گے۔'' (الکہف: 6) دوسری جگہ فرمایا: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ۔ إِن نَّشَأْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ آيَةً فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ۔ ترجمہ: ''شاید آپ خود کو ہلاک کرڈالیں گے (اس غم میں) کہ کیوں یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے کوئی ایسی نشانی اتار دیں کہ جس کے سامنے ان کی گردنیں جھک جائیں۔'' (الشعراء:3-4)

یعنی ان کی ہدایت کی فکر وغم میں خود کو اس قدر گھلانے کی ضرورت نہیں کہ آپ اپنی جان کو ہی ہلاکت میں ڈال دیں، اگر ہمیں جن وانس کی آزمائش مقصود نہ ہوتی جس کا منطقی اور لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان میں سے بعض ایمان لائیں اور بعض نہ لائیں، تو ہم آسمان سے ایسی نشانی اتارتے کہ جس کے آگے سر تسلیم خم کئے بغیر اور جس پر ایمان لائے بغیر انہیں کوئی چارہ نہ ہوتا لیکن اس میں ایک طرح سے جبر کا پہلو شامل ہوجاتا جب کہ ہم نے ہر دو جنس کو ارادہ واختیار کی آزادی دے رکھی ہے تاکہ ان کی آزمائش کی جائے اس لئے ہم نے ایسا کرنے سے احتراز کیا جس سے ہمارا یہ قانون متاثر ہو اور صرف انبیاء ورسل کو مبعوث کرنے اور کتابیں نازل کرنے پر ہی اکتفا کیا تاکہ دیکھیں کون وہ انقیاد وتسلم کی راہ اختیار کرتے ہیں یا سرکشی کی۔

یہ ہے رسول پاکؐ کے مشن اور انسانوں کی ہدایت کی تڑپ کا اجمالی خاکہ۔ اب ذرا ہم اپنے حال پر غور کریں۔ کیا رسول پاکؐ کی محبت اور آپ کی اتباع کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ ہماری زندگی کا بھی وہی مشن ہوگیا جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مشن تھا؟ حالانکہ اللہ رب العزت نے ہماری اس ذمہ داری کی وضاحت بھی اپنی کتاب میں فرمادی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: (قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ، عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي، وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ)۔

ترجمہ: ''آپ فرمادیجیے کہ یہ ہے میری راہ کہ بلاتا ہوں (لوگوں کو) اللہ کی

طرف بصیرت کے ساتھ، میں (بھی) اور وہ (بھی) جو میرے تابع ہے اور اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔" (یوسف:108)۔ قرآن کریم کی یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن میں ان کے متبعین بھی ان کے شریک ہیں اور عقلاً بھی یہ بات سمجھنے کی ہے کہ جب آپ کو اللہ پاک نے قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کا نبی بنایا اور سب کی کامیابی اسی دین سے وابستہ کردی جس کے داعی اور شارع آپؐ تھے تو پھر آپؐ کے اس دنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد آخر یہ دین ان تمام انسانوں تک کیسے پہنچے گا؟ ظاہر ہے کہ یہ ذمہ داری امت مسلمہ کے ہر فرد کے کندھوں پر ہے لیکن کیا بحیثیت مسلمان ہم نے اسے کبھی محسوس بھی کیا ہے؟ اس سوال کے جواب کے لئے ہر شخص خود اپنے گریبان میں جھانکے اور غور کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دم تو بھرتے رہے لیکن ان کے مشن کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو ہم نے قطعی نہیں سمجھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں جو عزت وسربلندی عطا فرمائی اور اپنی رضا کا پروانہ بھی دیا اس کی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے نہ صرف اس ذمہ داری کو محسوس کیا بلکہ دعوت الی اللہ کو ہی زندگی کا مقصد بنایا اور اسی مقصد پر اپنی جان و مال کو قربان کردیا۔ افسوس! صد افسوس کہ آج ہم اس مقصد سے کافی دور ہوگئے اور اس دنیائے فانی کی چند روزہ عیش وعشرت کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا۔ ہماری زبانوں پر تو یہ کلمہ جاری رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے آئیڈیل ہیں لیکن درپردہ ہم نے اپنا آئیڈیل نہ جانے کس کس کو بنا رکھا ہے؟ ہم دین اسلام کی سرفرازی اور سربلندی کے لئے کوشاں تو کیا ہوتے الٹا اسے مٹانے اور بدنام کرنے کی کوئی کسر ہم نے نہ چھوڑی اور ہمیں اس کا کچھ احساس بھی نہیں ہے۔ دعوت الی اللہ کے مشن سے ہٹنے کا جو نتیجہ نکلنا تھا وہ سامنے آگیا یعنی انسانوں کی عمومی ہدایت رک گئی، دین خود ہماری زندگیوں سے نکلتا چلا گیا اور جو اعمال دین زندہ رہ گئے ان کی بھی روح نکل گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سارے عالم میں ہم پر ذلت مسلط کردی جس سے نکلنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ ہم پھر اپنے اس مقصد زندگی کی طرف لوٹ جائیں جس کی تعلیم ہمیں قرآن وسنت سے ملتی ہے۔ 12 ربیع الاول کے دن اگر ہم نے اس مشن کو اختیار کرنے کا عہد کرلیا تو یہی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں ہماری بہترین خراج عقیدت ہوگی۔

मजलिस तहक़ीक़ात व नशरियाते इस्लाम की हिन्दी पुस्तकें

किताब का नाम	लेखक	मूल्य
मन्सबे पैगम्बरी	मौ0 सै0 अबुल हसन अली हसनी नदवी	100.00
नबियों के क़िस्से 1,2	"	120.00
नबी–ए–रहमत	"	250.00
दस्तूरे हयात (जीवन का पथ–प्रदर्शक)	"	70.00
सभ्यता और संस्कृति पर इस्लाम की	"	70.00
भारतीय मुसलमान एक दृष्टि में	"	80.00
मदीने की डगर	"	70.00
मानवता का संदेश	"	50.00
मानवता का स्तर	"	50.00
अच्छे–अच्छे नाम अल्लाह के	"	25.00
इस्लाम एक परिचय	"	40.00
इस्लाम क्या है?	मौलाना मनज़ूर नोमानी	60.00
आदर्श शासक	मौलाना अब्दुस्सलाम क़िदवाई नदवी	35.00
तूफ़ान से साहिल तक	मो0 असद	50.00
मुहम्मद सल्लल्लाहु अलैहि वसल्लम	मौलाना सैय्यद मो0 राबे हसनी नदवी	250.00
तोहफ–ए–रमजान	"	40.00
हमारे हुज़ूर	अमतुल्लाह तसनीम	20.00
इस्लाम और इस्लामी	मौलाना इलियास नदवी भटकली	35.00
सीरत सुलतान टीपू शहीद	"	220.00
	Total	1635.00
	Rate After Disc & Including Postal Charges	1000.00

Ph.: 0522-2741539, A/c : 10863759700, SBI Main Br. Lucknow, IFSC : SBIN0000125

مفتی راشد حسین ندوی

سوال وجواب

س: تیمم کس طرح کے عذر کے پیش آنے سے جائز ہے؟

ج: تیمم کی اجازت یا تو اس وقت ہوتی ہے جب پانی دستیاب نہ ہو، یا پانی دستیاب ہو لیکن بیماری یا کسی عذر کے سبب اس کو اندیشہ ہو کہ پانی استعمال کرنے سے بیماری بڑھ جائے گی یا نیا مرض پیدا ہوجائے گا۔ (شامی-1/170،171)

س: کیا سردی کی شدت سے بوڑھے مرد وعورتوں کیلئے تیمم کرکے نماز پڑھنا جائز ہے؟

ج: اگر غسل واجب ہوگیا اور اندیشہ یہ ہے کہ غسل کرنے سے بیمار ہوجائے گا یا کوئی عضو مفلوج ہوجائے گا تو اس کے لئے بجائے غسل کے تیمم کرنا جائز ہے اس کی اجازت ایک حدیث سے بھی ثابت ہے جو ابوداؤد میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وضوء کرنے میں مرض بڑھنے یا بیمار پڑجانے کے اندیشے عموماً نہیں ہوتے لہٰذا سردی لگنے کے خوف سے وضوء کی جگہ تیمم کرنا جائز نہ ہوگا الا یہ کہ حقیقۃً بھی اس طرح کا ڈر پیدا ہوجائے۔ (شامی-1/172)

س: تیمم کا طریقہ کیا ہے؟

ج: تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے نیت کرکے دونوں ہتھیلیاں مٹی پر مار کر پورے چہرے پر پھیرا جائے، پھر اس کے بعد دوبارہ ہتھیلیاں مٹی یا غبار پر مار کر دووں ہاتھ کہنیوں تک پھیر لئے جائیں، اگر انگوٹھی وغیرہ پہن رکھی ہو تو اس کو اتار دیا جائے یا آگے پیچھے کرلیا جائے۔ (بدائع الصنائع- 1/ 167) چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: تیمم میں چہرے کے لئے ایک بار ہاتھ مارا جائے، اور ایک بار کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لیے ہاتھ مارا جائے گا۔ یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ چہرہ اور کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کا کوئی حصہ مسح سے نہ چھوٹے۔

س: ٹائل پر تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

ج: جنس زمین کی کسی بھی چیز سے تیمم کرنا جائز ہے، خواہ وہ پتھر ہو مٹی ہو یا ریت ہو، اور ٹائل کے بارے میں علماء کی تحقیق یہی ہے کہ وہ بھی جنس ارض ہی سے بنایا جاتا ہے لہٰذا خواہ وہ چکنا ہی کیوں نہ ہو اس پر تیمم کرنا جائز ہے، لیکن بعض ائمہ کے نزدیک مٹی کے علاوہ کسی اور چیز پر تیمم کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا احتیاطاً مٹی موجود ہو تو اسی پر تیمم کرنا چاہئے۔ (ہندیہ-1/27 کتاب النوازل،3/163)

س: خفین پر مسح کرنے کا سنت طریقہ کیا ہے؟

ج: خفین پر مسح کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں تر ہاتھوں کی انگلیاں کھول کر خفین کے اگلے ظاہری حصہ سے اوپر پنڈلیوں کی طرف خط کھینچ دیا جائے، بہتر یہ ہے کہ انگلیوں کے ساتھ ہتھیلی کو بھی شامل کرلے، اگر اس کے خلاف مسح کرے، مثلاً پنڈلیوں سے نیچے کی طرف کھینچے یا پیر کی چوڑائی میں مسح کرے تب بھی مسح ہوجائے گا، لیکن خلاف سنت ہوگا۔ (ہندیہ-1/33)

س: مسافر کیلئے مسح کی مدت تین دن تین رات اور مقیم کیلئے ایک دن ایک رات ہے، اس کی ابتداء وضوء کرنے کے وقت سے ہوگی؟

ج: خفین پہننے کے بعد جب پہلی مرتبہ وضوء ٹوٹے اس وقت سے مسح کی مدت کی ابتداء ہوتی ہے۔ (ہندیہ-1/33)

س: خفین پر مسح صحیح ہونے کی کیا شرطیں ہیں؟

ج: فقہاء نے خفین پر مسح صحیح ہونے کی دس شرائط کتاب وسنت کی روشنی میں تحریر فرمائی ہیں۔ 1-خفین ٹخنوں سمیت پورے قدم کو ڈھانپ رہے ہوں۔ 2-دونوں قدموں کی ہیئت پر بنے ہوئے ہوں اور پیر سے ملے ہوئے ہوں۔ 3-وہ اتنے مضبوط ہوں کہ ان کو پہن کر جوتے کے بغیر ایک فرسخ (تقریباً ساڑھے پانچ کلومیٹر) پیدل چلنا ممکن ہو۔ 4-بغیر باندھے پیروں پر رک سکیں۔ 5-اتنے موٹے ہوں کہ پانی کو پیروں تک نہ پہنچنے دیں۔ 6-مانع مسح پھٹن سے خالی ہوں۔ 7-ان کو طہارت کاملہ پر (غسل وضوء کے بعد) پہنا جائے۔ 8-تیمم کے ذریعہ طہارت کے بعد نہ پہنا ہو۔ 9-جنسی نہ ہو۔ 10-اگر پیر کٹا ہو تو مسح کے لئے ہاتھ کی تین انگلیوں کے بقدر پیر باقی ہو۔ (مراقی-69،70 شامی-1/191 ومابعد)

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

ڈاکٹر محمد لئیق اللہ خان۔ جدہ

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت سے انجیل بھی انکاری

انگریزی خاتون قبول اسلام کا واقعہ اس طرح بتاتی ہیں کہ میں عیسائی گھرانے میں پیدا ہوئی۔ برطانوی گرجا گھر میں میرا بپتسمہ (غسل عیسائیت) ہوا۔ انجیلوں میں مذکور حضرت یحییٰ علیہ السلام کا قصہ کم عمری میں ہی پڑھ لیا تھا۔ میرے ذہن پر اس کا بڑا گہرا اثر تھا۔ جب بھی گرجا گھر جاتی یہ احساس تازہ ہوجاتا تھا۔ میں دیوہیکل شمع دان دیکھتی، اس میں روشن شمعیں، اس سے پھوٹنے والی خوشبو، پادریوں کی زرق برق روایتی پوشاک اور عبادت کے عجیب و غریب نغمے بہت بھلے لگتے تھے۔

میرا خیال ہے کہ میں زندگی کے اِس دور میں پرجوش عیسائی تھی۔ پھر جوں جوں دینی مطالعہ بڑھا، انجیل اور عیسائیت کی کتابوں سے دلچسپی میں اضافہ ہوا، ویسے ویسے مطالعہ اور مشاہدہ کے بارے میں تفکیر کے مواقع پھیلتے چلے گئے۔ ایسی بہت ساری چیزیں میرے سامنے آئیں جو ناقابل فہم تھیں۔ رفتہ رفتہ میں لادین ہوگئی۔ کسی بھی دین پر میرا عقیدہ نہ رہا۔ آگے چل کر میں نے اہم مذاہب کا مطالعہ شروع کردیا۔ بودھ مت سے اس سلسلے کا آغاز کیا۔ اس کے مثبت پہلوؤں کا مطالعہ کیا، میں اس نتیجے پر پہنچی کہ بدھ مت خیر پسند مذہب ہے تاہم اس کی کوئی واضح شناخت نہیں۔

ہندومت کے سیکڑوں دیوتاؤں اور دیویوں کے تصور نے حیران کردیا۔ یہ دیوتا کا فرضی قصہ ہے۔ پھر میں نے یہودیت کا رخ کیا۔ اس کا اچھا خاصہ حصہ میں پہلے پڑھ چکی تھی۔ اس سے متعلق حاصل مطالعہ یہ ہے کہ یہ دین کے اساسی عناصر سے محروم ہے۔

میرے ایک دوست نے مجھے مشورہ دیا کہ روحانیت کا مطالعہ کروں، اس کی مجلسوں میں شرکت کروں، جہاں انسانوں پر روحوں کا اقتدار ہوتا ہے۔ میں نے یہ کام زیادہ عرصے نہیں کیا۔

میرا احساس یہ تھا کہ اگر میں اس راستے پر چلتی رہی تو خطرات سے دوچار ہوجاؤں گی۔ جنگ ختم ہوئی تو مجھے لندن کے ایک دفتر میں کام مل گیا۔ دفتری مشغولیات، دینی تفکر کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنیں۔

ایک روز، مقامی اخبار میں ایک مضمون شائع ہوا۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''الٰہ'' ثابت کیا گیا تھا۔ میں نے جوابی مضمون لکھ کر ثابت کیا کہ خود انجیل بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''الٰہ'' نہیں مانتی۔ اس جواب کی اشاعت پر بہت سارے قارئین نے مجھ سے رابطے کئے، رابطہ کرنے والوں میں ایک مسلمان بھی تھا۔

یہ رابطہ اسلام کے ازسرنو مطالعہ کا محرک بن گیا۔ رابطہ کرنے والے مسلمان سے سلام و دعا ہوگئی، ہم دونوں مذہبی امور پر بحث کرتے۔ میں جب بھی بحث کرتی، میرا اندرون مجھے بحث سے باز رکھنے پر آمادہ کرتا۔ میں اس مسلمان کا مقابلہ کرتی لیکن کب تک کرتی، بہرحال میں نے یہ مان لیا کہ ہدایت کا مکمل پیغام ایک عام انسان کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔ میں عام انسان کا لفظ اس تناظر میں استعمال کررہی ہوں کہ 20ویں صدی کی ترقی یافتہ دنیا ایسا نظام نہیں لاسکی جیسا معیاری نظام محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نوع انسان کو 1400 برس قبل دیا۔

اسلام جدید نظام سے بالا اور برتر ہے، بلکہ جدید ریاستیں مسلسل اسلامی قانون سے استفادہ کررہی ہیں۔ میں نے کئی مسلمانوں سے ملاقات کی، نومسلم انگریز لڑکیوں سے بھی ملنا ہوا، ان لڑکیوں نے میری مدد کی۔ انہیں ادراک تھا کہ میں کس کیفیت اور الجھن سے دوچار ہوں کیونکہ ان کی اور میری نشوونما ایک جیسے ماحول میں ہوئی تھی۔ نہ جانے کیوں ان

کی محنت بیکار ثابت ہوئی۔ میں نے کتابوں کا مطالعہ کیا، ان میں سے ایک کتاب کا نام تھا: The Religion of Islam (مذہب اسلام)۔ دوسری کتاب : Mohammed & Crist (محمدؐ اور عیسیٰؑ) (عیسائیت کے ماخذ) تھی۔

اس آخری کتاب سے میں بہت زیادہ متاثر ہوئی۔ یہ بڑی عجیب وغریب کتاب ہے۔ قدیم بت پرستی اور افسانوی کہانیوں میں بڑی مماثلت پائی جاتی ہے۔ ان سب سے زیادہ اہم یہ ہیکہ میں نے جب قرآن پڑھا تو پہلے لمحے میں ایسا لگا، اس کا بیشتر حصہ تکرار ہے۔ قرآنی مضامین کے احاطہ کے حوالے سے مجھے خود پر اعتماد نہ تھا مگر دوسرا پہلو یہ تھا کہ قرآن، آہستہ آہستہ میرے دل میں جگہ کرنے لگا۔ میں خود کو اس کیفیت سے محروم کرنا نہیں چاہتی تھی۔ ایک سوال اکثر و بیشتر میری سوچ پر چھایا رہتا تھا کہ آخر انسانوں کے ذریعے جو ناتمام ہوتے ہیں۔ مکمل نہیں ہوتے۔ انسانیت کو مکمل ہدایت کیونکر مل سکتی ہے؟

مسلمانوں نے تاریخ کے کسی بھی دور میں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ 'محمدؐ' کوئی مافوق الفطرت طاقت یا انسان سے بالاتر کوئی مخلوق ہیں۔

میں نے مطالعہ کیا تو اسلام کا یہ پہلو میرے سامنے آیا کہ پیغمبر کا دامن خطاؤں سے آلودہ نہیں ہوتا۔ وہ معصوم ہوتے ہیں۔ وحی کوئی نئی بات نہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل بنی اسرائیل کے نبیوں پر نازل ہوتی رہی ہے۔ یہاں تک کہ بات میری سمجھ میں آئی تھی تاہم یہ بات میری سمجھ سے بالاتر رہی کہ 20ویں صدی میں پیغمبر کیوں نہیں! عصر حاضر میں وحی کیوں نہیں نازل ہوتی؟ یہ گتھی نہیں سلجھ رہی تھی۔ سورۃ احزاب کی آیت نمبر 40 کے مطالعہ سے میری گتھی سلجھی جس میں بتایا گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری پیغمبر ہیں، ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ قرآن نے یہ بات صاف کردی۔ قرآن جامع کتاب ہدایت ہے۔ اس میں ہر شئے کا بیان ہے۔ یہ پہلی آسمانی کتابوں پر مہر تصدیق ثبت کئے ہوئے ہے۔ قرآن قیامت تک کسی ردوبدل کے بغیر محفوظ رہے گا۔ سورۃ الحجر کی آیت نمبر 9 میں ہے کہ:

''ہم ہی نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''

یہ کتاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی۔ ایسے عالم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی پیغمبر اور نبی کی بعثت کی حاجت نہیں رہی۔

میں نے قرآن کا مطالعہ کیا تو پتہ چلا کہ قرآن، سوچنے والوں کے لئے مشعل راہ ہے۔ اللہ نے قرآن کے آسمانی کتاب ہونے میں شک وشبہ کرنے والوں کو سورہ بقرۃ آیت نمبر 23 میں تاریخی چیلنج دیا کہ وہ اس جیسی کوئی ایک سورۃ پیش کردیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

''اور اگر تم اس پر شک کئے ہوئے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو تم اس جیسی ایک سورت ہی لے آؤ اور اگر تم سچے ہو تو غیر اللہ میں سے اپنے حامیوں کو بھی بلالاؤ۔''

ایک سوچ میرے ذہن میں یہ آئی کہ اگر قرآن کا بیان کردہ نظام حیات 570ء میں پیدا ہونے والے ایک انسان کا کرشمہ ہے تو ہم 1964ء میں اس سے بہتر نظام کیوں نہیں تخلیق کرسکتے۔ میں نے اس اساس پر بہتر نظام کی جستجو شروع کی لیکن مجھے ہر میدان میں ناکامی ہوئی۔

میں تسلیم کرتی ہوں کہ میرے اوپر عیسائی مبلغین کی تقاریر کا اثر تھا۔ اسلام کے خلاف ان کی نکتہ چینی میرے لاشعور میں جاگزیں تھی۔ میرے سامنے ایک سے زیادہ شادیوں کے جواز کا اسلامی حکم آیا تو ایسا لگا کہ اب میرے ہاتھ اسلام کی ایک کمزوری آگئی ہے۔ میں مغربی تہذیب سے متاثر تھی جس میں یہ نظریہ مقبول اور رائج ہے کہ مرد کو ایک شادی پر اکتفاء واجب ہے، اسلام کے اس حکم پر برتر نظر آیا کہ انسان ایک سے زیادہ شادیاں کرسکتا ہے۔ میں نے اس موضوع پر ایک مسلم دوست سے بحث کی۔ اس نے انتہائی مدلل انداز میں مجھے سمجھایا کہ اسلام نے ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دی ہے، اس کی ترغیب نہیں دی۔ اسلام نے اس کے لئے شرائط بھی مقرر کی ہیں۔ ایک سے زیادہ شادیاں، مغربی دنیا میں مرد وزن کے درمیان بڑھتے ہوئے خفیہ رشتوں کے مرض کا علاج ہے۔ مسلم دوست نے اخبارات

میں چھپنے والی رپورٹوں سے ثابت کیا کہ انگلینڈ میں ایک بیوی پر اکتفاء کرنے والوں کی تعداد بے حد محدود ہے۔

میں نے خود سوچا کہ خاص طور پر جنگوں کے بعد عورتوں کی تعداد مردوں سے بڑھ جاتی ہے، اچھی خاصی تعداد ایسی خواتین کی ہوتی ہے جنہیں شادی کا موقع نہیں ملتا۔ سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں محرومی کا درد جھیلنے کے لئے پیدا کیا ہے؟ میں اسی دن ایک ریڈیو پروگرام سن رہی تھی۔ نام تھا ''میرے پیارے سردار'' اس میں ایک انگریز لڑکی ایک سے زیادہ شادیوں کے جواز کا قانون بنانے کا مطالبہ کر رہی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ معمر کنواری رہنے پر دوسری بیوی بننے کو ترجیح دے گی۔ میں نے مطالعہ کیا تو واضح ہوا کہ اسلام میں کئی شادیاں ضروری نہیں، مکمل دین کی علامت یہ ہے کہ وہ زندگی کی ضرورتوں کا اہتمام کرے۔

رفتہ رفتہ اسلامی تعلیمات کی حقانیت اور صداقت سے میرا دل اور دماغ مطمئن ہوا۔ میں نے کلمہ توحید و رسالت پڑھ کر اسلام قبول کرلیا۔ میں نے اچانک اور جذبات سے متاثر ہوکر اسلام قبول نہیں کیا، بلکہ مکمل آگہی، انتھک سوچ اور گہرے وسیع مطالعہ کے بعد پوری طرح قلبی ذہنی اطمینان کے بعد حلقۂ بگوش اسلام ہوئی۔ میں نے اس وقت اسلام قبول کیا جب مجھے ایسا لگا کہ میرے سامنے اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں۔ بالآخر مخالف جذبات کو پس پشت ڈال کر حق اپنالیا۔ ○○

رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۴۰ صفحات کے اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (فی شمارہ صرف تیس روپے اور سالانہ خریداری -/300 روپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے بیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقوم ''ادارہ رضوان'' کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زر سالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ اور منی آڈر فارم بھی روانہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یاددہانی ہوسکے۔

یاد رکھئے! زر سالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہٰذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زر سالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ ''رضوان'' خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر یا بذریعہ فون اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرمادیں۔ نیز اپنا خریداری نمبر یا جس نام سے رسالہ جاری ہے وہ پتہ صاف اور خوشخط ضرور لکھیں۔ آپ کا تعاون اس دینی سعی و کاوش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور ''رضوان'' کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کیلئے کار خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

قارئین رضوان سے گذارش ہے وہ اپنا سالانہ چندہ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں جمع کرسکتے ہیں۔

Bombay Mercantile Co-operative Bank, Lucknow-18

Name of Account "RIZWAN MONTHLY", Account No. : 205110100005299

IFSC Code : UTIBOSBMCBI

نوٹ: رقم ڈالنے کے بعد دفتر کو مطلع ضرور کریں ورنہ رقم آپ کے کھاتہ میں منتقل نہ ہوگی۔ اس نمبر پر مطلع کریں **Cantt. No. : 9415911511**

بقیہ.....بیت المقدس مسلمانوں...

اپنی جان کی بازی لگا کر بیت المقدس کی بازیابی کی جدوجہد کررہے ہیں۔

اسلام نے دنیا کے تمام مسلمانوں کو ایک جسم کی طرح قرار دیا ہے، اگر جسم کے کسی حصے کو تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے، اسی طرح اگر دنیا کے کسی خطے میں مسلمان تکلیف میں ہوں تو تمام مسلمانوں کو بھی وہ تکلیف محسوس ہونی چاہئے، اگر فلسطین کے مسلمان اسرائیلی جارحیت کے شکار ہیں تو تمام مسلمانوں کو اس کے خلاف دستوری جدوجہد کرنی چاہیے اور اپنے ایمان ویقین کا ثبوت پیش کرنا چاہئے، ہمیں مسئلہ فلسطین کا مطالعہ کرنا چاہئے، ہماری نوجوان نسل شاید اس پورے قضیہ سے ہی نابلد ہے، ضرورت اس کی ہے کہ ہم تاریخ کا مطالعہ کریں، حالات سے واقفیت حاصل کریں، فلسطینی مسلمانوں کے ساتھ اگر کچھ نہیں کرسکتے تو کم ازکم ان کے ساتھ اظہار ہمدردی وغمخواری کا معاملہ ضرور کرسکتے ہیں، اتنا تو ہمارا حق ضرور بنتا ہے ان نہتے، جانباز فلسطینیوں کے لیے، اللہ تعالیٰ فلسطینی مسلمانوں کی مدد فرمائے اور کوئی صلاح الدین پیدا کرے، جو مسلمانوں کی مذہبی میراث کو واپس لاسکے، فلسطین مسلمانوں کی مذہبی میراث ہے، مسلمان کبھی بھی اور کسی صورت میں اس سے دست بردار نہیں ہوسکتے۔ ○

بقیہ.....علم دین کی اہمیت

اور وہاں کے اچھے یونیفارم، وہاں کے ڈسپلن، وہاں کے پڑھنے والے بچوں کی زبان اور ان کے اندازِ گفتگو سے متاثر ہوکر لوگ اپنے بچے کو داخل کررہے ہیں، اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اگر بچوں کو ابتداء دینی تعلیم نہیں دلائی گئی، مکتب میں نہیں پڑھایا گیا، مدرسہ میں تعلیم نہیں دی گئی اور براہ راست ایسے اسکولوں میں داخل کردیا گیا جہاں دینی تعلیم کا کوئی عنصر نہیں، دینیات پر کوئی توجہ نہیں تو وہ دین سے نابلد رہ جاتے ہیں اور پھر اِدھر اُدھر کی جو باتیں ان کے کان میں پڑتی ہیں اور جو نظریات ان کے سامنے آتے ہیں ان سے مقابلہ کرنے کی یا کم ازکم ان کو نامانوس اور اپنے ذہن سے غیر آہنگ سمجھنے کا جو جذبہ ہوتا ہے وہ ان کے اندر پیدا نہیں ہوتا ہے، اس لئے سرپرستانِ طلبہ بالخصوص والدین کو اس سے عہدہ برآ ہونے کی ضرورت ہے کہ اپنی اولاد کو دینی تعلیم دلوائیں، ان کی اسلامی تربیت کریں ان کو فرائض اور ضروری مسائل سیکھنے کا مکلف بنائیں، تاکہ "کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ" کے تحت کل قیامت میں عتاب خداوندی سے محفوظ رہ سکیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اندر علوم دینیہ کی اہمیت کا احساس اور اس کے حصول کے لئے کوشاں رہنے کا جذبہ پیدا فرمائیں۔ آمین

○○○

بات کرنے میں اختصار سے کام لیجیے

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن جب ایک شخص نے (ان کی موجودگی میں) کھڑے ہوکر (وعظ وتقریر کے طور پر) بات کی اور بہت لمبی بات کی تو آپ نے فرمایا کہ اگر یہ شخص بات مختصر کرتا تو اس کے لئے زیادہ بہتر ہوتا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا [illegible] یہ مناسب سمجھتا ہوں [illegible] وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ [illegible] سے یہ حکم ہے کہ بات [illegible] اختصار سے کام لوں کیونکہ بات میں اختصار بہتر ہوتا ہے۔

تجربہ شاہد ہے کہ بہت لمبی بات سے سننے والے اُکتا جاتے ہیں اور دیکھا ہے کہ بعض اوقات کسی تقریر وعظ سے سامعین شروع میں بہت اچھا اثر لیتے ہیں، لیکن جب بات حد سے زیادہ لمبی ہوجاتی ہے تو لوگ اُکتا جاتے ہیں اور وہ اثر بھی زائل ہوجاتا ہے، اس لئے بات مختصر اور عام فہم ہونی چاہئے۔ (بکھرے موتی، ج=2/ص:77)

آخری صفحہ

مولانا محمد قمر الزماں ندوی
استاد مدرسہ نورالاسلام کنڈہ پرتاپگڑھ

کیا میں ان احمقوں کی وجہ سے سنت چھوڑ دوں؟

فاتح ایران حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے جب ایران میں کسریٰ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا، تو شاہِ ایران نے لڑائی سے قبل مذاکرات کے لئے آپ کو اپنے دربار میں بلایا، آپ وہاں تشریف لے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو تواضع کے طور پر پہلے ان کے سامنے کھانا لاکر رکھا گیا، چنانچہ آپ نے کھانا شروع کیا، کھانے کے دوران آپ کے ہاتھ سے ایک نوالہ نیچے گر گیا..... حضور اقدس ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ اگر نوالہ نیچے گر جائے تو اس کو ضائع نہ کرو، وہ اللہ کا رزق ہے اور یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کے کون سے حصہ میں برکت رکھی ہے، اس لئے اس نوالے کی ناقدری نہ کرو، بلکہ اس کو اٹھالو، اگر اس کے اوپر کچھ مٹی لگ گئی ہے تو اس کو صاف کرلو، اور پھر کھالو..... چنانچہ جب نوالہ گرا، تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث یاد آگئی، اور آپ نے اس نوالے کو اٹھانے کے لئے نیچے ہاتھ بڑھایا، آپ کے برابر ایک صاحب بیٹھے تھے انہوں نے آپ کو کہنی مار کر اشارہ کیا کہ یہ کیا کر رہے ہو۔ یہ دنیا کی سپر طاقت کسریٰ کا دربار ہے، اگر تم اس دربار میں زمین پر گرا ہوا نوالہ اٹھا کر کھاؤ گے تو ان لوگوں کے ذہنوں میں تمہاری وقعت نہیں رہے گی، اور یہ سمجھیں گے کہ یہ بڑے گھٹیا قسم کے لوگ ہیں، اس لئے یہ نوالہ اٹھا کر کھانے کا موقع نہیں ہے، آج اس کو چھوڑ دو۔

جواب میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے عجیب وغریب جملہ ارشاد فرمایا کہ:

"أتركت سنة حبيبي لهؤلاء الحمقى"

کیا میں ان احمقوں کی وجہ سے سرکار دوعالم ﷺ کی سنت کو چھوڑ دوں؟

چاہے یہ ایرانی اچھا سمجھیں یا برا سمجھیں، عزت کریں یا ذلت کریں، یا مذاق اڑائیں، لیکن میں سرکار دوعالم ﷺ کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتا۔

ہم سب کے لئے غور کا مقام ہے کہ انہوں نے اس سنت پر عمل کر کے اپنی عزت کرائی یا آج ہم پیارے آقا کی پیاری سنتوں کو چھوڑ کر عزت حاصل کر رہے ہیں؟ عزت انہوں نے ہی حاصل کی اور ایسی عزت حاصل کی کہ ایک طرف تو سنت پر عمل کر کے نوالہ اٹھا کر کھایا، تو دوسری طرف ایران کے وہ کج کلاہ جو غرور اور نخوت وتکبر کے مجسمے بنے ہوئے تھے، ان کا غرور ایسا خاک میں ملایا کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: کہ

"اذا هلك كسرىٰ فلا كسرىٰ بعده"

کہ جس دن کسریٰ ہلاک ہوا اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہے، دنیا سے اس کا نام ونشاں مٹ گیا۔

آج ہم مسلمان جو ذلیل وخوار ہیں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نبی کی سنتوں سے دور ہوگئے ہیں، یہ حقیقت ہے کہ ایک مسلمان جب پیارے نبی کی سنت کو ترک کرے گا تو اسے ذلت ورسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ اسعد ملتانی نے سچ کہا ہے۔

کسی کا آستانہ اونچا ہے اتنا
کہ سر جھک کر بھی اونچا ہی رہے گا
ہنسے جانے سے جب تک تم ڈروگے
زمانہ تم پر ہنستا ہی رہے گا